شعاعِ ادب

اپنی لائبریری

کالا پانی

(تواریخِ عجیب)

مولانا محمد جعفر صاحب تھانیسری

قیمت: ایک روپیہ پچاس پیسے

کالا پانی

(تواریخ عجیب)

جناب مولانا محمد جعفر صاحب تھانیسری مرحوم

شاعر ادب ۔ لاہور

ناشر : محمد حلیم

مطبع : استقلال پریس۔ لاہور

تعداد :

تاریخ : نومبر ۱۹۶۱ء

مقام اشاعت : شعاع ادب - لاہور

☆

اس پتہ سے بھی مل سکتی ہے

ایم ثمس الدین بک سیلر، مسلم مسجد، چوک انارکلی - لاہور

سندھ ساگر اکادمی۔ مسلم مسجد۔ چوک انارکلی۔ لاہور

فہرس

ابواب	عنوان	صفحہ	ابواب	عنوان	صفحہ
۱	ابتدائے عشق	۹	۱۴	روانگی کراچی	۵۷
۲	فرار	۱۳	۱۵	بمبئی	۶۰
۳	گرفتاری	۱۷	۱۶	تھانہ جیل	۶۲
۴	امتحانِ عشق	۱۹	۱۷	کالاپانی کو روانگی	۶۴
۵	گواہ گردی	۲۲	۱۸	انڈمان	۶۵
۶	مقدمہ	۲۷	۱۹	انڈمن کے اصلی باشندے	۷۱
۷	فیصلہ	۳۴	۲۰	انڈمن کی زندگی	۷۶
۸	چیف کورٹ	۳۸	۲۱	شادی خانہ آبادی	۷۹
۹	کالاپانی	۴۱	۲۲	تین مہلک حادثے	۸۰
۱۰	مشقت	۴۳	۲۳	تجارت	۸۲
۱۱	مولوی احمد اللہ صاحبؒ	۴۹	۲۴	دوسری شادی	۸۵
۱۲	سفرِ لاہور	۵۲	۲۵	دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست	۸۷
۱۳	سنٹرل جیل لاہور	۵۵			

ابواب	عنوان	صفحہ
۲۶	ہندوؤں کی ناکام چوٹیں	۹۱
۲۷	مولوی محمد حسن صاحب کی تشریف آوری	۹۵
۲۸	لارڈ میو گورنر جنرل کا قتل	۹۶
۲۹	میں نے انگریزی سیکھ لی	۱۰۱
۳۰	مغربی علوم کا ملحدانہ اثر	۱۰۳
۳۱	وہابیوں کے خلاف سرکار کا اعلانِ جنگ	۱۰۶
۳۲	اولاد	۱۰۹

ابواب	عنوان	صفحہ
۳۳	رہائی کی امیدیں	۱۱۱
۳۴	حضرت مولانا احمد اللہ صاحب کا انتقال	۱۱۳
۳۵	فرمانِ رہائی	۱۱۶
۳۶	پورٹ بلیر پر آخری نظر	۱۱۹
۳۷	سوادِ ہند کو روانگی	۱۲۵
۳۸	وطن پہنچ کر	۱۳۱
۳۹	خاتمہ	۱۳۴
۴۰	حالات مولانا یحییٰ علی صاحب	۱۳۹

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

میری واپسی انڈمان کے بعد ہر ایک دوست نے جس سے میری ملاقات ہوئی میری قید لبست سالہ اور سفر اور ان جزائر کی کیفیت پوچھنی شروع کی تو ہر شخص کے روبرو ایک لبست سالہ تواریخ کا بیان کرنا دشوار سمجھ کر کچھ ضروری ضروری حالات و واقعات جو اس مدت بیس سالی میں مجھ کو پیش آئے مختصراً واسطے ملاحظہ ناظرین کے لکھ دیتا ہوں کہ ہر سائل اور مستفسر کے روبرو اس کو پیش کر دوں۔

جب اپریل سنہ ۱۸۷۹ء میں میں نے تواریخ پورٹ بلیر مسمّی بہ تاریخ عجیبہ لکھی تھی اس کے تھوڑے روز پہلے میری درخواست رہائی بڑے شد و مد سے حضور نواب گورنر جنرل بہادر ہند سے نامنظور ہوگئی تھی جس سے اکثر حکام بلکہ خاص و عام کو یقین ہوگیا تھا کہ اس قید فرنگ سے میری رہائی کبھی نہ ہوگی۔ لیکن میں رحمتِ الٰہی سے نومید نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے دیباچہ کتاب مذکور میں یہ لکھا تھا کہ دنیا بامید قائم ہے۔ دیکھیے

پردۂ غیب سے اُور کیا ظاہر ہوتا ہے بلکہ اخیر دیباچہ میں ناظرین کتاب مذکور سے یہ بھی التجا کی تھی کہ وہ میرے حق میں دعا کریں کہ ہماری سرکار معدلت شعار ان ننگ دھڑنگ جنگلیوں کی صحبت سے جدا کرے تاکہ جلد ثانی اس کتاب کی ہند میں حاضر ہو کر اپنے ملک کی بولی میں ناظرین کی نذر کروں۔ سو اس تحریر دل سوز کو ابھی تھوڑے دن نہ ہوئے تھے کہ خود بخود بلا میری درخواست کے بمدد غیبی لارڈ رپن صاحب بہادر کی زبان سے ظہور میری رہائی کا ہوگیا۔
میری پہلی کتاب تاریخ عجیب کا نام بھی تاریخی ہے اور اتفاق حسنہ سے ایک حرف کے زیادہ کر دینے سے اس چھ برس کی بیشی کو پورا کرکے اس کا بھی تاریخی نام تواریخ عجیب رکھا گیا۔ گویا یہ وہی جلد ثانی ہے جس کے مشتہر کرنے کا ہند میں پہنچنے کے بعد وعدہ تھا۔ اب ناظرین باوقار کی خدمت میں عرض ہے کہ میں نے اس کتاب کو بھی بطور روزنامچہ روزمرہ بول چال میں لکھا ہے اور دوسرے لوگوں کے مقولوں اور قصص کو جہاں تک مجھے یاد ہے بعینہٖ ہو بہو نقل کیا ہے۔ مگر اس پر بھی جہاں کہیں بہ مقتضائے بشریت مجھ سے کمی بیشی ہوئی ہو تو خداوند عالم الغیب معاف کرے اور صاحبان نکتہ چیں اور اہلِ علم سے امید ہے کہ جہاں کہیں غلطی پاویں قلم عفو سے اصلاح کر دیویں۔ اور میرے حق میں دعا کریں کہ جیسے اِس مہلکۂ عظیم قید فرنگ سے مجھ کو نجات بخشی ایسے ہی وہ رب کریم مرادِ دلی پوری کرکے ساتھ خاتمہ خیر کے اِس مہلکۂ عظیم دنیا سے بھی نجات دیوے آمین ثم آمین۔ وما توفیقی الا باللہ وعلیہ توکلت والیہ انیب

وقال اللہ تبارک و تعالیٰ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰہُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ لَیَعْلَمَنَّ الْکٰذِبِیْنَ ۔ ترجمہ :- فرمایا خداوند تعالیٰ نے کیا گمان کیا ہے لوگوں نے کہ فقط مُنہ سے کہنے پر کہ ہم مسلمان ہو گئے ہیں چھوڑ دیئے جائیں گے اور وہ نہ آزمائے جائیں گے البتہ آزمایا تھا ہم نے اُن لوگوں کو جو پہلی امتوں کے تھے پس اب بھی بعد آزمائش کے اللہ ظاہر کر دیگا کہ کون سچے مسلمان ہیں اور کون جھوٹے ہیں ۔

جہاں تک مجھ کو علم ہے اس مقدمہ میں ہم لوگوں کی گرفتاری بھی سبب منشار ایزدی اس آیت کے فقط سچے اور جھوٹوں کی پرکھ اور آزمائش کے واسطے تھی ۔ ورنہ وعدہ حق موجود ہے ۔ وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰہُ لِلْکٰفِرِیْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ۔ پس اگر یہ سبب آزمائش کا نہ ہوتا تو کبھی بھی سرکار انگریزی کے ہاتھ سے ہم کو صدمہ نہ پہنچتا اور بموجب منشار حدیث نبوی کے یبتلی الرجل علی حسب دینہ یعنی ہر آدمی بقدر استعداد اپنے ایمان اور دین کے آزمایا جاتا ہے ۔ اس مقدمہ میں بھی وعوئے داران محبت باری تعالیٰ کو جن کو دعوئے ایمان کا تھا بقدر استعداد اپنے ایمان کے جانچا گیا اور جھوٹے اور سچے سب ظاہر ہو گئے ۔ پس یہ کتاب گویا اس آیت مذکورہ بالا کی تفسیر سمجھنی چاہیئے ۔ لہٰذا میں بعد قائم کرنے اس تمہید کے اب اصل مقدمہ کو شروع سے آخر تک بیان کرتا ہوں ۔ اگر ناظرین اس آیت اور حدیث کے مضمون کو برابر خیال رکھیں گے

تو اُن کو اصل اسرارِ مکنونہ اس تواریخ کے خود بخود ظاہر ہوتے چلے جاوینگے لیکن ان کے سمجھنے کو ایمان درکار ہے۔ میں خود اپنی کم ظرفی اور بے استعدادی اور ضعیف الایمانی کے سبب سے اس مقدمہ میں ہزارہ وں اسرارِ مکنونہ کو سمجھ نہیں سکا۔

باب (۱)

ابتدائے عشق

اخیر ۱۸۶۳ء مطابق ۱۲۸۰ھ ہجری سرحد غربی ہند پر ملک یاغستان میں خود سرکار انگریزی کی زبردستی سے ایک جنگ عظیم شروع ہوگئی۔ جنرل چمبرلین صاحب اس جنگ کے سپہ سالار تھے۔ ابیلے کی گھاٹی میں جاکر فوج سرکار کو بہت تکلیف ہوئی۔ بیگانے ملک میں سرکار کی مداخلت بے جا کے سبب سے مُلّا عبدالغفور صاحب اخوند سوات بھی اپنے بہت سے مریدوں کو ساتھ لے کر آموجود ہوئے۔ ملکی خوانین اور افغان چاروں طرف سے اپنے بچاؤ کے واسطے مقابلہ سرکار پر ٹوٹ پڑے۔ قافلہ مجاہدین جن کی سرکوبی اور نیست و نابود کرنے کو ہماری سرکار چڑھی تھی الگ رہ گیا بلکہ بدعوائے حفاظت خود اختیاری ہر کس و ناکس سرکار کے مقابل کھڑا ہوگیا۔ مجاہدوں نے بھی بہ تمنائے حصول شہادت دادِ شجاعت دے کر اپنے جوہر دکھائے۔ غرض دو تین مہینے تک خوب جنگ ہوتی رہی۔ خود جنرل چمبرلین صاحب مجروح شدید ہوئے۔ قریب سات ہزار کے کشت و خون کی نوبت پہنچی۔ تمام پنجاب کی چھاؤنیوں کی فوج کھینچ کر سرحد پر بھیجی گئی۔

ادھر یہ گرما گرمی تھی ادھر لارڈ ایلجن صاحب وائسرائے ہند چینی کے پہاڑ پر اپنی اس حرکت اور زبردستی چھیڑ چھاڑ پر نادم ہو کر یک بیک مر گئے

ہندوستان بے گورنر ہوگیا۔ ایسے نازک وقت میں ۱۱ دسمبر ۱۸۶۳ء مطابق
۲۸ ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۲۸۰ ہجری کو ایک سوار پولیس متعینہ چوکی پانی پت
ضلع کرنال مسمی غزن خان نام ایک ولائتی افغان نے کسی ذریعہ سے میرے
حال سے واقف ہوکر ایسے وقت میں اپنی دنیوی بھلائی کا موقع جان کر
ایک بڑی لمبی چوڑی اور جھوٹی کیفیت خیر خواہانہ کے ساتھ بحضور صاحب
ڈپٹی کمشنر کرنال کے حاضر ہوکر یہ مخبری کی کہ یہ جنگ جو ہندوستانی مجاہدوں
کے ساتھ سرحد پر ہو رہی ہے۔ ان لوگوں کو محمد جعفر نمبردار تھانیسر روپیہ اور
آدمیوں سے مدد دیتا ہے۔ تب ڈپٹی کمشنر کرنال نے یہ داستان سن کر
بذریعہ تار برقی ضلع انبالہ کو جس کی حدود ارضی کے اندر ہمارا شہر تھانیسر
واقعہ ہے خبر بھیج دی۔ ادھر مخبر مخبری کر کے باہر نکلا تھا کہ اُدھر ہمارے
ایک دوست ڈپٹی کمشنر صاحب کرنال کی ملاقات کو اُن کے بنگلے پر پہنچے
جن سے عند التذکرہ صاحب موصوف نے ذکر اس مخبری کا بھی کیا۔ جب بعد
الفراغ ملاقات کے یہ صاحب ہمارے دوست اپنے ڈیرے کو تشریف
لاتے تو اُنہوں نے مسمی گاوا نام ایک اپنے نوکر سے جو میرا ہمسایہ تھا بطور
افسوس حال اس مخبری کا بیان کیا۔ مذکورہ یہ حال سن کر اسی وقت اس کی
خبر کرنے کو تھانیسر کو دوڑ پڑا۔ لیکن خوبی تقدیر سے کچھ زیادہ رات گئی یہ
شخص تھانیسر میں پہنچا اور سب سے پہلے میرے مکان پر آیا۔ مگر میں اس
وقت گھر کے اندر جاکر سو رہا تھا۔ وہ اس وقت رات کو ہمارا دروازہ بند اور
ہم کو سوتے دیکھ کر ایسے آرام کے وقت میں ہم کو تکلیف دینا مناسب نہ جان کر

اپنے دل میں سوچا کہ فجر کو خبر کر دوں گا۔ ادھر تقدیر اُس کو دروازے پر سے ہٹا لے گئی۔ اب اِدھر انبالہ کی کیفیت سنیئے جب انبالہ میں یہ تار کی خبر پہنچی تو ایک وارنٹ میری خانہ تلاشی کا جاری ہوا اور کپتان پارسن صاحب ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس ایک جماعت کثیر پولیس کی ساتھ لے کر راتوں رات میرے مکان پر پہنچے۔ یہاں قدرت الٰہی کا تماشا دیکھیئے۔ ایک ہی وقت میں دو آدمی کرنال سے مجھ کو خبر دینے کو اور دوسرا انبالہ سے میری خانہ تلاشی کو روانہ ہوئے۔ کرنال والا جو میرا خیر خواہ تھا پہلے پہنچا اور کچھ نہ کر سکا ؎

چاک کو تقدیر کے ممکن نہیں کرنا رفو

سوزن تدبیر گر ساری عمر سیتی رہے

مگر یہ دوسرے صاحب بوقت تین بجے رات کے میرے گھر پہنچ گئے پہلے چاروں طرف سے میرے مکان کو گھیر لیا اور پھر مجھ کو باہر بُلایا میں نے باہر جا کر دیکھا کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس معہ وارنٹ خانہ تلاشی کے میرے دروازہ پر موجود ہیں۔ اُنہوں نے اول مجھ کو وارنٹ دکھلایا بعدہٗ کہا کہ آپ اپنے مکان کی تلاشی دو۔ اس وقت میں سمجھا کہ دال میں کالا ہے۔ تب میں نے چاہا کہ اول تلاشی میرے گھر کے اندر کی ہو تو بہتر ہے تاکہ بیٹھک میں جو بلا کا بھرا ہوا خط رکھا ہے کسی طرح پولیس کے ہاتھ نہ آوے۔ لیکن ہونی کون روک سکتا ہے۔ باوجودیکہ صدر دروازے کے اندر داخل ہو کر میری دہلیز میں سراسر اندھیرا تھا اور مکان بیٹھک کا جو اس دہلیز کے جانب شمالی ہے تو بھی سپرنٹنڈنٹ صاحب اسی بات پر مصر ہوئے کہ پہلے بیٹھک ہی کی

تلاشی کی جاوے۔ اس وقت بیٹھک میں جانے کے واسطے دو دروازوں کا کھلوانا ضرور ہوا جو اندر سے بند تھے۔ میں نے چالاکی سے منشی عبد الغفور کا نام (جو اس کے اندر مع اور چند آدمیوں کے تھے) پکار کر باآواز بلند کہا کہ سپرنٹنڈنٹ تلاشی کے واسطے کھڑے ہیں تم جلد دروازہ کھول دو۔ اور اس کہنے سے میری یہ غرض تھی کہ کسی طرح وہ لوگ تلاشی کی بات سمجھ کر دروازہ کھولنے سے پہلے اُس زہریلے خط کو چاک کر دیویں۔ اس میری پکار کو صاحب سپرنٹنڈنٹ سمجھ کر مجھ کو مانع بھی ہوئے مگر میں کہاں سنتا تھا۔ لیکن تقدیر پھاڑنے دیوے تو پھاڑا جاوے۔ اُن اندر والوں نے مارے گھبراہٹ کے میرے اشاروں کو کچھ بھی نہیں سمجھا اور دروازہ کھول دیا۔ اب بیٹھک میں تلاشی ہونے لگی۔ اور وہی خط جس کا ڈر تھا سب سے پہلے پولیس کے ہاتھ میں آیا اور اسی شام کو اس کی گرفتاری سے فقط چھ گھنٹے پہلے تقدیر نے وہ خط میرے ہاتھ سے لکھوا رکھا تھا۔ وہ خط امیر قافلے کے نام تھا اور اس میں اصطلاحی لفظوں میں چند ہزار اشرفیوں کی روانگی کا ذکر تھا۔ اس کے سوا اور بھی چند خطوط پارینہ آمد پٹنہ در مسلہ محمد شفیع انبالوی پولیس کے ہاتھ لگ گئے گو ان خطوں میں کوئی ایسا مضمون مضر نہ تھا مگر اُن سے پولیس کو یہ پتہ مل گیا کہ محمد شفیع انبالوی اور اہل پٹنہ کی تلاشی اور تفتیش بھی ضروری کرنی چاہیئے منشی عبد الغفور باشندۂ ضلع گیا ملک بہار جو میرے ہاں محرری کا کام کرتے تھے اور عباس نام ایک بنگالی لڑکے کو بھی جو میری بیٹھک میں سوتے ہوئے ملے تھے پولیس پکڑ کر لے گئی۔ گو میری نسبت بھی پولیس کو شک تو ی

ہو گئی تھا لیکن بوجہ نہ ہونے وارنٹ گرفتاری کے اور بلا حصول منظوری گورنمنٹ کے جو ایسے مقدمات میں ضروری ہے اہل پولیس مجھ سے اس دم کچھ مزاحم نہ ہوسکے ۔

باب (۲)

فرار

جب پولیس میرے گھر سے چلی گئی تو یہ بات غور طلب ٹھہری کہ اس وقت مجھ کو کیا کرنا چاہیئے میں نے بخیال اس شہادت و ثبوت کے جو ان کو میرے گھر سے مل گئے تھے اور اس غصہ کے وقت کو جو تازہ جنگ سرحد سے سرکار پر چڑھا ہوا تھا ٹال دینے کی غرض سے اس وقت اپنا فرار ہو جانا اور اس نامردی سے جان کو بچانا مناسب جانا ۔ گو میں پولیس کی حراست میں نہ تھا مگر وہ چاروں طرف میرا سراغ لگاتے ہوتے تھے میں نے اپنی والدہ ماجدہ سے جو اس وقت زندہ موجود تھیں اور اپنی بیوی سے صلاح لے کر اور اُن کو اپنے فرار پر راضی پا کر یہ داؤ کھیلا کہ میں ۱۲ دسمبر ۱۸۶۳ء کو اپنے شہر سے روانہ ہو کر اول موضع پیلی میں جہاں تحصیل اور تھانہ وغیرہ ہے آیا اور وہاں ملازمان تحصیل اور پولیس سے بھی رائے لی کہ اب مجھ کو کیا کرنا چاہیئے ۔ سب نے بالاتفاق یہ رائے دی کہ تم انبالہ کو جاؤ اور وہاں سے دریافت کرو کہ یہ کیا مقدمہ ہے اور کس نے یہ مخبری کی ہے

غرض یہ سب صلاح اور مشورہ ظاہری ان سب سے کر کے میں بوقت شام براہ سڑک کلاں دہلی سے انبالہ کو روانہ ہوا۔ اس وقت بہت سے آدمی چشم محبت اور افسوس سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ جب میں ایک گھوڑے پر سوار ہو کر چلا ہر کسی کو یقین ہو گیا کہ میں انبالہ کو جاتا ہوں، جب تک دن کی روشنی تھی میں برابر سڑک کو سڑک انبالہ کو چلا گیا کوئی ایک میل بھر راستہ چلنے کے بعد خوب تاریکی ہو گئی اور مسافر بھی دور دور تک نظر نہ آتے تھے اس وقت میں سڑک انبالہ کو چھوڑ کر جنگل کی راہ سے ایک معتبر جگہ پر اپنی زمینداری کی زمین میں تھانیسر کے متصل قریب ایک بجے رات کے پہنچ گیا۔ جب میں وہاں پہنچا میں نے دیکھا کہ میری والدہ اور بیوی بچے اور میرا بھائی محمد سعید وغیرہ میری آخری ملاقات کے واسطے وہاں حاضر ہیں۔ خیر میں اپنی والدہ سے آخری ملاقات کر کے اور اپنی بیوی اور بچوں کو ساتھ لے کر بسواری ایک عمدہ بہلی کے صبح ہوتے ہی ۲۲ کوس پانی پت پہنچا۔ میں پانی پت شہر کے اندر نہیں گیا سڑک پر سے اپنے بیوی بچوں کو رخصت کر دیا۔ اس وقت میں جس کسی سے رخصت ہوتا تھا مجھ کو اس زندگی میں اس سے دوبارہ ملنے کی امید نہ تھی۔ اس بہلی گڑھ والہ سے میں نے کہہ دیا تھا کہ میری جورو بچوں کو پانی پت میں چھوڑ کر تم معہ بہلی جمنا پار چلے جانا۔ یہ بہلی معہ جوڑی بیلوں کے جو تین سو روپیہ سے کم قیمت کے نہیں ہیں ہم نے تم کو اس قیمت پر بخش دی کہ تم کسی شخص کو ہمارے بال بچوں کا پتہ نشان نہ دینا اور جب تک یہ معرکہ گرم رہے تھانیسر کو نہ جانا۔ جس وقت ڈاک خانہ پانی پت کے سامنے میں ساری عمر کے واسطے اپنی جورو اور بچوں سے جدا ہوا اور میرا ایکہ ان کے

سامنے دہلی کو چلا وہ حادثہ قابل تحریر نہیں ہے۔ خیر وہاں بسواری یکہ دوسرے دن چالیس کوس دہلی میں پہنچ گیا اور میاں بھیر دین سوداگر کی کوٹھی میں ٹھہر ا وہاں میاں حسینی ساکن تھانیسر اور حسینی ساکن پٹنہ اور عبد اللہ نام ایک بنگالی سے میری ملاقات ہوئی یہ دونوں آدمی آخر الذکر پٹنہ سے کچھ اشرفیاں لے کر اسی دن آئے تھے میں نے وہ اشرفیاں ان سے لے کر حسینی ساکن تھانیسر کے حوالے کر کے اس کو ہدایت کردی کہ جیسے ممکن ہو اُس بیت المال کو قافلہ تک پہنچا دو۔ بعد روانہ کرنے حسینی تھانیسر کے میں نے ان ہر دو آئندہ زر کو اپنے ساتھ پورب کو واپس لے جانا چاہا۔ کیونکہ بوجہ در پیشی معرکہ امبیلا اور میری خانہ تلاشی کے ملک پنجاب میں امن نہ رہا تھا۔ اور ان ایام میں میری عمر قریب پچیس برس کے تھی اور جوش مذہبی بھرا ہوا تھا۔ نشیب و فراز زمانہ کا کچھ خیال نہ تھا۔ یہ دل میں ٹھنی ہوئی تھی کہ یہ خدا کا کام ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا اس سبب سے اس وقت تک میرے دل میں یہ خیال تھا کہ اس داؤ کے سبب سے اس طرف میری تلاش کو کوئی نہ آئے گا۔ میری تلاش انبالہ اور اس کے مغرب میں ہوگی۔ اس خیالی حکمت پر دہلی پہنچکر میں نے اپنے مخفی رکھنے کے واسطے کوئی احتیاط نہ کی۔ میں خود اپنے معمولی لباس میں ایک شکرم کرایہ کرنے کو چاندنی چوک تک گیا اور پھر بندہ یعنوں دیگر کو کھلم کھلا ہم تینوں آدمی بسواری شکرم علی گڑھ کو روانہ ہوگئے۔ راہ میں گاڑی ہانکنے والوں کو بہت سا انعام و اکرام دے کر چاہا کہ کسی طرح جلدی سے علی گڑھ پہنچکر ریل پر سوار ہو جاؤں کیونکہ اُس وقت یہ خیال تھا کہ میں ایسی چالی سے آیا ہوں کہ شاید مدت تک میری تلاش کو کوئی اس طرف کو نہ آوے گا۔ میں اپنی خام خیالی

سے اپنی تدبیر پہ ایسا نازاں تھا کہ تقدیر کا خیال بھی نہ رہا تھا۔ اب مجھ کو یہیں چھوڑ کر پولیس انبالہ کی کارروائی کو سنیئے۔

بارہویں دسمبر کو جب سپرنٹنڈنٹ پولیس میرے خطوط اور آدمیوں کو جو میرے گھر سے ملے تھے انبالہ کو لے گئے تو ان کو دیکھ کر بعد حصول منظوری گورنمنٹ میری گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا، وہی پارسن صاحب دوسرے دن میری گرفتاری کا وارنٹ لے کر تھانیسر آیا اور مجھ کو وہاں نہ پا کر شہر میں آفت مچا دی سینکڑوں گھروں کی تلاشی ہوئی پچاسوں مرد عورت پکڑے گئے میری بوڑھی والدہ اور میرے بھائی محمد سعید کو جو اس وقت صرف بارہ تیرہ برس کا تھا اور اس کی بیوی کو قید کر کے ان پر سخت عذاب اور مار پیٹ شروع کی اور ایسا ظلم اور بے عزتی عورات پردہ نشین کی ہوئی کہ جس کو سن کر دل کانپ جاتا ہے۔ میری بیوی کے پکڑنے کو بھی کو ایک دوڑ پانی پت کو گئی مگر مولوی رضی الاسلام صاحب کی جوانمرد والدہ کی دلیری سے میری عورت بچ گئی خیر ان مار کھانے والوں میں ایک میرا بھائی محمد سعید نہایت کم سن اور لذت ایمانی اور ثابت قدمی سے سراسر بے بہرہ تھا، اس سخت مار پیٹ کو نہ اٹھا سکا اور ڈر گیا اور اپنی جان بچانے کے واسطے بول اٹھا کہ میرا بھائی دہلی کو گیا ہے۔ یہ خود میری غلطی تھی کہ ایسے اہم راز پر ایک نابالغ بچہ کو آگاہ کر دیا تھا جس کا نتیجہ میری گرفتاری ہوئی۔ اسی وقت پارسن صاحب میرے بھائی کو ساتھ لے کر لسواری ڈاک دہلی پہنچا۔ ادھر پنجاب میں میری جا بجا تلاش شروع ہوئی دس ہزار روپیہ کا اشتہار میری گرفتاری کے واسطے جاری ہوا۔ کیمپ انبالہ میں محمد شفیع کے مکان

کی بھی تلاشی ہوئی۔ اتفاق سے اُس وقت محمد شفیع لاہور میں موجود تھے یہاں اُن کے بھائی محمد رفیع اور مولوی محمد تقی و منشی عبدالکریم اُن کے کارندے گرفتار کیئے گئے اور اُن کو ڈرایا گیا کہ اگر تم سب حال نہ بتلاؤ گے تو تم کو پھانسی دی جائیگی جان کے ڈر سے محمد رفیع حقیقی بھائی محمد شفیع کے اور مولوی محمد تقی صاحب جو پرانے کارندے اور واعظ جامع مسجد محمد شفیع پر گواہ ہو گئے اور جو پولیس نے اُن کو سکھلایا سو گواہی دے کر اپنی جان بچائی اور منشی عبدالکریم جنہوں نے حسب تعلیم پولیس گواہی نہ دی تھی بلا قصور محمد شفیع کے ساتھ دائم الحبس ہو گئے۔

ادھر پارسن صاحب نے دہلی میں پہنچکر آفت مچادی۔ سرائوں اور شہر کے دروازے بند کر دیئے ہزاروں آدمیوں کی تلاشی ہوئی۔ پچاسوں آدمی پکڑے گئے۔ ابھی پکڑ دھکڑ میں پارسن صاحب کو یہ پتہ مل گیا کہ میں فلاں شکرم میں سوار ہو کر فلاں وقت معہ دو دوسرے آدمیوں کے علی گڑھ کو گیا ہوں۔ تب اُسی دم بذریعہ تار برقی میری گرفتاری کے واسطے علی گڈھ توجہ دی گئی۔

باب (۳)

گرفتاری

خوبی تقدیر سے علی گڈھ میں جو میرے گھر سے قریب دو سو میل کے ہے ٹیشن میرے وہاں پہنچنے کے وقت یہ خبر تار پہنچی تو اُسی وقت برلب سڑک پولیس نے آکر ہم کو گھیر لیا اور ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ علی گڈھ کے بنگلے پر لے گئے

اُس نے ہم کو مجسٹریٹ صاحب کے پاس بھیجدیا جہاں سے میں اور میرے دونوں ہمراہی تا آنے جواب ثانی تار کے حوالات میں رکھے گئے۔ اسی دن شام کو جب میں تیمم کرکے نماز پڑھ رہا تھا پارسن صاحب وہاں پہنچ گئے اور مجھ کو قید میں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور حکم دیا کہ اس کو پھانسی گھر میں بڑی حفاظت کے ساتھ بند کردو۔ اسی دم میں ایک بڑی کوٹھری تنگ و تاریک میں بند کیا گیا۔ اور دو تین پہرے اُس کے چوگرد مقرر کر دیئے گئے۔

اب پھانسی گھر میں بند ہو کر مجھ کو عقل آئی کہ یہ فرار اور فخر تدبیر خداوند تعالیٰ کی مرضی کے خلاف تھا۔ اور پھر میں آخر تک دیکھتا رہا کہ اس فرار سے یہ مقدمہ بہت بھاری ہو گیا تھا اور جو تکالیف مجھ کو یا میرے عزیزوں اور دوستوں کو پہنچیں وہ سب اسی فرار نابکار کا ثمرہ تھا۔ عاشقی کرکے جانچ کے وقت میدان سے بھاگ جانا صادقوں کا کام نہیں ہے۔ بقول حافظ ؎

بیگانہ را چہ کار بود در بلائے غم
آں را رسد کہ خاص بود آشنائے ما

جب بوقت شب بمقام علی گڈھ مجھ کو پہرہ والوں نے پوچھا کہ پھانسی والے مجرم پر بھی صرف ایک پہرہ ہوتا ہے تم ایسا کیا قصور کرکے آئے ہو کر جس سے تم پر تین پہرے لگائے گئے۔ میں نے کہا کہ میں جس شخص کا غلام تھا میں اُس کے حکم کے بھاگ آیا ہوں اس واسطے وہ غصہ ہے اور مجھ کو راہ سے پکڑ والیا۔ سب سے پہلے جیل کا کھانا مجھ کو اس جیل میں ملا۔ دو روٹی اور تھوڑا سا ساگ میرے حوالے کیا گیا۔ ساگ میں تو سوائے موٹے موٹے ڈھنٹھلوں کے پتی کا

نام نہ تھا جن کا چبانا بھی شورا تھا ایڈیٹر وں میں تریت تھائی کے بڑا و مٹی ملی تھی خیر خدا کا شکر کرکے تھوڑا بہت اُس میں سے کھایا۔ پھر اس کے بعد اکثر جیل خانوں میں میں نے وقتاً فوقتاً رہ کر دیکھا تو سب جگہ قیدیوں کا کھانا ویسا ہی پایا کیونکہ قیدیوں کو دراصل خوراک کم ملتی ہے جس سے اُن کا پیٹ نہیں بھرتا اور جب اُن کو گیہوں پیسنے کے واسطے دی جاتی ہے تو وہ مارے بھوک کے سیروں گیہوں چبا جاتے ہیں یا کچا آٹا پانی میں گھول کر پی لیتے ہیں اور آٹے کا وزن پورا کرنے کے واسطے آٹے میں مٹی یا لو ملا دیتے ہیں اور اسی طرح جو عمدہ ترکاری جیل کے باغوں میں پیدا ہوتی ہے اُس کو تو فروخت کر دیتے ہیں یا جیل کے عہدہ دار کھا جاتے ہیں تمام کار ڈنٹھل جن کو جانور بھی نہ کھاویں گنڈاسوں سے کاٹ کوٹ کر قیدیوں کے واسطے پکا دیتے ہیں، وہ بھوک کے لیے غنیمت جان کر ہاتھوں ہاتھ اُڑا جاتے ہیں۔ گو نو آمد قیدیوں کو دو ایک دن اس کے کھانے میں ایذا ہوتی ہے۔ مگر جب عذاب الجوع اُن پر مسلط ہوتا ہے تو پلاؤ قورمے سے بھی زیادہ اُس میں مزہ پاتے ہیں اور کھا جاتے ہیں کیونکہ دنیا میں اصل مزا بھوک کا ہے۔

باب (۴)

امتحانِ عشق

دوسرے دن پارسن صاحب ہم تینوں آدمیوں کو ساتھ لے کر خوشی خوشی بسواری شکرم دہلی کو روانہ ہوا شکرم میں سوار کرتے کے پہلے مجھ کو بیڑی ہتھکڑی

طوق پہنا کر اور طوق میں بطور باگ ڈور ایک اور زنجیر ڈال کر اور اس کا سرا ایک مسلح سپاہی پولیس کے ہاتھوں میں دے کر اس کو میرے پیچھے بٹھایا اور پارسن صاحب اور دوسرا انسپکٹر پولیس میرے داہنے بائیں بھرے ہوئے پستول کی جوڑیاں لے کر اور میرے بدن سے بدن ملا کر بیٹھ گئے۔ اس کے سوا پارسن صاحب بار بار مجھ کو راہ میں کہتا ہوا آتا تھا کہ اگر تم ذرا بھی حرکت کرو گے تو میں اس تمنچے سے تم کو مار دوں گا۔ علی گڑھ سے چل کر دہلی تک کھانا پینا تو درکنار کسی سخت ضروری حاجت کے واسطے بھی ہم نہ اتارے گئے۔ جب نماز کا وقت آتا تھا تو میں طلب اجازت تیمم کر کے بیٹھے بیٹھے اشاروں سے نماز پڑھ لیتا تھا اور گاڑی بدستور چلی جاتی تھی اور وہ چپ چاپ میری نماز کا تماشا دیکھا کرتے تھے۔ آخر بعد مصیبت اس حال سے لوہے میں جکڑے ہوئے ہم دہلی میں داخل ہوئے جہاں سے جا کر زیر بنگلہ ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس دہلی کے ہم کو ایک تہ خانہ میں زندہ درگور بند کر دیا دوسرے دن دہلی سے کرنال اور پھر کرنال سے انبالہ ہم کو لے گئے۔ جب ہم انبالہ میں پہنچے بہت رات جا چکی تھی اسی طرح بے آب و دانہ ہم تینوں آدمیوں کو علیحدہ علیحدہ کر کے تین پھانسی گھروں میں بند کر دیا جہاں ہم شروع اپریل تک برابر بند رہے۔ دوسرے دن فجر کے وقت پارسن صاحب سپرنٹنڈنٹ اور میجر ونکفیل صاحب ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس اور کپتان ٹائی صاحب ڈپٹی کمشنر انبالہ مثل یاجوج ماجوج کے میری کوٹھری میں آ گئے اور مجھ سے کہا کہ تم اس مقدمہ کا سب حال بتلا دو تمہارے واسطے بہت بہتر ہوگا۔ میں نے کہا کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ اس وقت پارسن

صاحب نے مجھ کو پہلے بہت دھمکایا اور پھر مارنا شروع کیا جب میری مار حد کو پہنچی اور میں گر پڑا تو ٹائی صاحب اور ونکفیل صاحب کوٹھری سے باہر کھڑے ہو گئے اور جب اس قدر مار پر بھی میں نے کچھ نہ بتلایا تو وہ سب کے سب اس دن مایوس ہو کر چلے گئے۔ میں نے جب یہ کیفیت ظلم و تعدی کی دیکھی تو مجھ کو یقین ہو گیا کہ اب مجھ کو یہ لوگ زندہ نہ چھوڑیں گے میرے ذمے کچھ رمضان کے روزے باقی تھے دوسرے دن سے میں نے ان کی قضا رکھنی شروع کر دی

دوسرے دن جب میں روزے سے تھا علی الصباح پارسن صاحب پھر آیا اور وہی کارروائی شروع کی اگر تھوڑی زد و کوب کے بعد مجھ کو اپنی بگھی میں بٹھلا کر ٹائی صاحب ڈپٹی کمشنر کے بنگلے پر لے گیا۔ جہاں پر وہ دونوں صاحب یعنی ٹائی صاحب اور میجر ونکفیل صاحب بھی موجود تھے اس دن انہوں نے میری بڑی چاپلوسی کی اور کہا کہ ہم تحریری عہد کرتے ہیں کہ اگر تم دوسرے شریر کار اور مجاہدین جہاد کو بتلا دو تو تم کو سرکاری گواہ کر کے رہا کر دینے کے سوا بڑا عہدہ بھی دیویں گے اور بصورت نہ بتلانے کے تم کو پھانسی ہو گی۔ میں نے اس چاپلوسی پر بھی انکار کیا تو پھر پارسن صاحب ان دونوں سے انگریزی میں کچھ باتیں کر کے مجھ کو ایک الگ کمرے میں لے گیا۔ جہاں لے جا کر پھر مارنا شروع کیا۔ میں کہاں تک لکھوں آٹھ بجے صبح سے آٹھ بجے رات تک مجھ پر اس قدر مار پیٹ ہوئی کہ شاید کسی پر ہوئی ہو لیکن بفضل الٰہی میں سب سہار گیا۔ مگر اپنے رب سے ہر دم دعا کرتا جاتا تھا کہ اے رب یہی وقت امتحان کا ہے تو مجھ کو اس وقت ثابت قدم رکھیو۔ جب وہ ہر طرح مایوس ہو گئے تو لاچار بعد آٹھ بجے رات کے

مجھ کو جیل خانہ کو واپس بھیجدیا۔ میں تمام دن روزے سے تھا۔ بنگلہ سے باہر نکل کر درخت کے پتوں سے روزہ افطار کر لیا اور جیل میں پہنچ کر جو میرے حصہ کا کھانا رکھا تھا اُس کو کھا کر اور شکر الٰہی کر کے سو رہا جس دن میں ٹامی صاحب کے بنگلہ پر اس مار پیٹ کی لذت بنگلہ کے اندر اُٹھا رہا تھا اُس وقت منشی حمید علی صاحب تھانیدار تحصیل دار نرائن گڈھ صرف اس قصور پر کہ اس نے میری گرفتاری سے چند برس پہلے اپنے کسی دنیوی معاملہ میں مجھ کو ایک خط لکھا تھا اور بعض عملہ کچہری نے جو اس کے دشمن تھے اُس خط کے معنی غلط بیان کر دیے تھے جس پر وہ غریب معزز عہدہ دار معطل ہو کر باہر برآمدہ میں غمگین بیٹھا۔ میں اس کا غمگین چہرہ دیکھ کر اپنی تکلیف بھول گیا اور یہ خیال دل میں آیا کہ مجھ منحوس نالائق کو فقط ایک خط لکھنے پر یہ بیچارہ بے گناہ بھی پکڑا گیا۔ اگر اس کے بدلے بھی مجھ کو ہی سزا ہو جائے اور یہ رہا ہو جائے تو بہت بہتر ہے۔ میں اپنی اس حالت زار میں اُس کے واسطے بہت دعا کرتا رہا۔ بفضلِ الٰہی سے وہ تاکردہ گناہ آخر بری ہو کر پھر اپنے عہدہ پر بحال ہو گیا اور اب تک اول درجہ کا عہدہ دار ملک پنجاب میں ہے۔ اس تاریخ کے بعد پھر مجھ کو کبھی شاہد ہونے کی ترغیب نہیں دی گئی۔

باب (۵)

گواہ گردی

جب میری طرف سے قطعی مایوسی ہو گئی۔ تو محمد شفیع اور مولوی محمد تقی کو

جو بری طرح سے قید میں تھے مخبر بنا کر رہا کر دیا۔ انہیں کے بیان سے بے چارہ محمد شفیع جس کو اس مقدمہ سے بہت تھوڑا تعلق تھا لاہور سے پکڑا آیا پھر انہیں کی راہبری سے پارسن صاحب پٹنہ کو گیا۔ جہاں الیشری پرشادہ نام ایک ملازم پولیس اور مسٹر ٹیلر سابق کمشنر پٹنہ جو سنہ ۱۸۵۷ء میں مولوی حمید اللہ صاحب وغیرہ موحدوں کو بے قصور نظر بند کرنے کے قصور میں برخاست ہو گیا تھا۔ اس کے مددگار ہو گئے جن کی غیبت سے اس نے مولوی یحیٰی علی صاحب اور مولوی عبد الرحیم صاحب والٰہی بخش و میاں عبد الغفار کو گرفتار کر کے انبالہ کو بھیج دیا۔ اور پھر پارسن صاحب بنگال کو گیا۔ جہاں جگہ جگہ بہت لوگوں کو گرفتار کیا۔ اکثر لوگ تو لاکھوں ہزار روپیہ خرچ کر کے رہا ہو گئے اور بہتوں کو پھانسی دینے کی دھمکیاں دے کر گواہ بنا لیا۔ صرف ایک قاضی میاں جان ساکن کمارکھلی ثابت قدم رہے۔ جو گرفتار ہو کر انبالہ کو آئے۔ بصیر الدین و علاؤالدین سوداگران دہلی اور بہت سے دوسرے لوگ دہلی سے بھی گرفتار ہو کر آئے۔ پشاور سے لے کر مشرقی و شمالی کنارہ بنگال تک شاید کوئی مالدار مسلمان یا مولوی و نمازی باقی رہا جس کو ایک دفعہ پولیس نے پکڑ کر بقدر وسعت اُس کے اپنا ہاتھ گرم نہ کر لیا ہو۔ غرض اس جھوکے میں دسمبر سے اپریل تک بڑی پکڑ دھکڑ رہی صدہا آدمیوں کو ڈرایا اور سکھلا کر گواہ بنا لیا۔ اس پارسن گردی کے دورہ میں وہ بے چارہ حسینی تھانیسری بھی حبیب دہلی سے اشرفیاں لے کر لوٹا چلا آتا تھا۔ پکڑا گیا اور کل اشرفیاں منبط کرا کے بے قصور ہمارے ساتھ ہی دائم الحبس ہو گیا۔ اس مقدمہ میں ہم نے دیکھا کہ بڑے بڑے صاحب لوگوں نے قانون و آئین سب طاق پر

رکھ دیا تھا اور الیشری پرشاد وغیرہ ہندو مسلمان نے اپنے فائدے کے واسطے اس مقدمہ کو رسّی سے سانپ اور رائی سے پہاڑ بنا دیا اور ہم لوگوں کو بناکر نپولین یا مہدی سوڈانی سا فرضی دشمن دولتِ انگلشیہ کا ٹھہراکر اپنا مطلب نکالنا چاہا چنانچہ الیشری پرشاد وغیرہ جو نہایت ادنیٰ عہدے پر تھے۔ ڈپٹی کلکٹر وغیرہ ہو گئے اور بڑی بڑی زمینداری اور جاگیر دھوکہ دے کر سرکار سے لے لی اور غزن خاں مخبر نے تو ایک محض جھوٹا قصہ اپنے بیٹے کے قافلہ کو بھیجنے کا گھڑ کر ایک دو گاؤں جاگیر سرکار سے لے لیے اور اخیر ۱۸۶۳ء سے دس برس تک برابر ہندوستان کے مسلمانوں پر قیامت برپا رکھی۔ صدہا مسلمان مارے خوف کے گھر بار چھوڑ کر عرب وغیرہ ملکوں میں جا بسے خود غرضوں اور خوشامدیوں اور ہمارے مدعی اور دشمنوں نے خوب دل کے چاؤ نکالے۔ دس برس تک اخباروں میں سوائے اس قصہ اور بحث کے کوئی دوسری بات کم ہوتی تھی۔ ایک محکمہ معہ گواہ شاہدوں کے اس دار و گیر کے واسطے برسوں تیار رہا جس کو چاہا پکڑ لیا اور جو چاہا رشوت لے لی اور جس نے نہ دی اُس پر اُن معمولی گواہیوں سے گواہی دلاکر حائم الحبس کر دیا۔ چمبرلین صاحب اس دار و گیر وہابیوں کے کمشنر ہو کر راولپنڈی اس کا صدر مقام ہوا۔ چنانچہ مولوی نذیر حسین صاحب محدث دہلوی جو ایک نامی خیرخواہ دولت انگلشیہ کے ہیں واسطے خدمت گوینگری وہابیوں کے دہلی سے راولپنڈی طلب ہوئے لیکن ابھی کچھ کارروائی شروع نہ ہوئی تھی کہ اس احکم الحاکمین اور سریع الانتقام کو یہ کارروائی ظلم اپنے برگزیدہ بندوں پر پسند نہ ہوئی۔ یہ اجل وارنٹ موت ناگہانی خود چمبرلین صاحب کی اس دربار عالی میں طلبی ہو گئی۔

اُن کے مرنے کے بعد پھر کسی دوسرے صاحب کو اس خدمت خطرناک کے
قبول کا حوصلہ نہ ہوا۔ تو پھر وہ محکمہ ہی ٹوٹ گیا۔ اور غریب مسلمان بوجہ اس
تائیدِ غیبی کے اس آفتِ ناگہانی سے محفوظ رہے۔ اور مولوی نذیر حسین صاحب
جن پر واسطے اظہار تام کل ممبران اہل حدیث باشندگان ہند کے جبر کیا جاتا
تھا رہا ہو کر اپنے گھر کو واپس آ گئے اور ان خود غرضوں نے اُن سو دو سو
فقیران ساکنان ملکِ غیر کا ڈر اور رعب ہماری ایسی بہادر اور دانا سرکار کے دل
پر اتنا جمایا اور اس میں ایسا مبالغہ کیا کہ گویا سلطنت انگریزی کا قلع قمع کرنے
والے یہی لوگ ہیں۔ اور جس قدر اس کا اثر ہماری فاتح قوم پر ہوا ہے۔ وہ ڈاکٹر
ہنٹر صاحب کی کتاب کے دیکھنے سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ اس میں کیسے
رسی کا سانپ اور رائی کا پہاڑ بنایا گیا ہے۔ اور کن کن لایعنی دلائل سے فاتح
اور مفتوح میں عداوت ثابت کی ہے اور طرہ یہ کہ علی العموم بالتخصیص تمام
ہند کے مسلمانوں پر حملہ کیا ہے۔ حالانکہ اس تحریر کے بعد بڑے بڑے
موقعوں پر ہند کی خیر خواہی و خیر سگالی ثابت ہو کر وہ کتاب جو بوجہ فاتح
اور مفتوح کے دلوں کو بگاڑنے والی ہے قابلِ اعتبار نہیں ہے۔ اور مولوی
سید احمد بہادر سی۔ ایس۔ آئی نے شروع ہی میں بڑے دلائل سے اس
خیالی پلاؤ ڈاکٹر ہنٹر کو رد کر کے اس کی دھجیاں اُڑا دی ہیں: اور ہر دعوی کو
اصول ہی سے غلط ثابت کر دیا ہے مگر تو بھی اس کتاب ڈاکٹر ہنٹر کا جادو
ابھی تک اکثر انگریزوں کے دلوں پر ہے۔ یو وہابیوں کو اپنا جانی دشمن
جانتے ہیں۔ اور اگرچہ ابتدائے عملداری پنجاب سے افغانوں نے صدہا بڑے

بڑے معزز انگریزوں اور میم اور بچوں کو بلکہ گورنر جنرل تک کو مار ڈالا اور ابھی تک جہاں موقع پاتے ہیں۔ اپنی وحشیانہ حرکت سے باز نہیں آتے اور اُن کے مولویوں نے عام فتوٰی دے رکھا ہے کہ انگریز کا مارنا بڑا ثواب ہے۔ مگر تو بھی انگریز افغانوں کو اپنا اس قدر دشمن نہیں جانتے جس قدر وہابیوں کو ڈاکٹر ہنٹر کی بدولت اپنا دشمن فرض کر رکھا ہے۔ حالانکہ ابتدائے عملداری سرکار سے وہابیوں سے قتل انگریز تو درکنار کبھی کوئی حرکت خلافِ تہذیب بھی سرزد نہیں ہوئی۔ عین بغاوت ۱۸۵۷ء کے عام فتنہ کے وقت بجائے بغاوت اور فساد کے وہابیوں نے انگریزوں کی میم اور بچوں کو باغیوں کے ہاتھ سے بچا کر اپنے گھروں میں چھپا رکھا۔ مگر ڈاکٹر ہنٹر کے جادو نے دونوں قوموں کے درمیان بڑا تعصب سخت دشمنی اور نفرت پیدا کر رکھی ہے لیکن خُدا کا شکر ہے کہ ان چھبیس برس گذشتہ کے تجربوں اور وہابیوں کی خیر خواہی نے ڈاکٹر ہنٹر صاحب کے اس خیالی پلاؤ کو از سر تا پا دروغ ثابت کر دیا اور جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حسب سفارش گورنمنٹ پنجاب جس کے علاقہ کے وہابی جملہ رعایا ہند پر خیر خواہی سرکار میں سبقت لے گئے۔ یہ لفظ وہابی جو ان کا علیہ خطاب تھا بحکم گورنمنٹ ہند سرکاری تحریرات میں یک قلم لکھنا بند ہو گیا اور آئندہ سے یہ لوگ اپنے پُرانے نام محمدی یا اہل حدیث سے پکارے جایا کریں گے اور میں دیکھتا ہوں کہ بوجہ اس قدر دانی گورنمنٹ کے یہ لوگ اس قدر گورنمنٹ کے ہو گئے ہیں۔ کہ اگر موقع آپڑے تو سرکار ابد پائیدار پر اپنی اپنی جان نثار کر دیویں۔

باب (۶)

مقدمہ

آمدم برسرمطلب دسمبر سے اپریل تک یہ سب دار وگیر ہو کر ماہ اپریل مجسٹریٹی ضلع انبالہ میں یہ مقدمہ پیش ہوا اور ہم سب لوگوں کو پھانسی گھر سے نکال کر کچہری میں لے گئے اس وقت معلوم ہوا کہ میرا حقیقی بھائی محمد سعید میرے اوپر اور محمد رفیع حقیقی بھائی محمد شفیع کا اس کے اوپر پھانسی کی دھمکی سے گواہ ہو گئے اور اسی کارروائی سے پچاس ساٹھ آدمی جن میں اکثر مولوی ملا تھے ہمارے اوپر گواہ بنائے گئے۔ لیکن اکثر گواہی دیتے وقت بھی ہماری طرف دیکھ کر زار زار روتے بھی جاتے تھے۔ مگر بے بس۔ اگر گواہی نہ دیویں تو قطع نظر مار پیٹ کے پھانسی کا سامنا تھا۔ اور یہ سب گواہ تا ادائے شہادت محکمہ سشن کے مثل قیدیوں کے زیر حراست پولیس رکھے گئے تھے اور پولیس ہی سے ان کو عمدہ خوراک اور لباس ملتا تھا۔ چنانچہ لاکھوں روپیہ سرکار کا ان بے جا کارروائیوں میں صرف ہو گیا۔ اور مار پیٹ کی تو یہ حالت تھی کہ عباس نام ایک لڑکا جو مدت تک میرے گھر میں رہ کر پرورش پایا تھا جب مجسٹریٹی میں گواہی دیتے وقت مجھ کو دیکھ کر مارے محبت کے جھوٹا اور آموختہ بیان میرے اوپر کرنے سے ہچکچایا تو اسی روز رات اس کو ایسی سزائے سخت دی گئی کہ وہ بچہ اسی صدمہ سے قبل از درپیشی مقدمہ سشن کے مر گیا مگر رفع بدنامی

کے واسطے پارسن صاحب نے اس کا مرنا کسی مرض سے مشہور کر دیا تھا جس دن ہم اول روز مجسٹریٹی میں حاضر کیے گئے تو میرا بھائی بھی بزمرۂ گواہان زیر حراست پولیس تھا۔ اُس نے مجھ کو بذریعہ ایک سپاہی پولیس کے یہ خبر بھیجدی کہ مجھ کو پولیس نے مار پیٹ کر تمہارے اوپر گواہ بنالیا ہے۔ سو اب جس وقت بر سر اجلاس میرے اظہار تحریر ہوں گے۔ تو میں اپنے اُس بیان سے جو مار پیٹ کر لکھایا ہے پھر جاؤں گا۔ اس کے جواب میں میں نے اُس کو کہلا بھیجا کہ میری قید اور رہائی کچھ تمہارے بیان پر موقوف نہیں ہے وہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ اگر تمہارا اظہار حلف ہوا ہے تو اب اس سے پھر جانے پہ بجرم دروغ حلفی تم کو سزا سخت ہو جاوے گی۔ میں تو پہلے سے پھنسا ہوا ہوں تمہارے پھنس جانے سے والدہ ضعیفہ صدمہ کھاکر ہلاک ہو جاوے گی۔ اِس واسطے بہتر ہے کہ جو تم نے پہلے لکھایا ہے وہی اب بھی بیان کرو لیکن بااین ہمہ جب اُس کا اظہار میرے سامنے ہونے لگا تو وہ پہلے اظہار سے منکر ہو گیا۔ صاحب لوگ بر سر اجلاس اس کا انکار سُن کر اول تو بڑے غصے ہوئے مگر بوجہ اُس کی صغر سنی کے اُس کو کچھ سزا نہ دے سکے۔ اس کا نام گواہوں سے کاٹ کر اُس کو نکال دیا۔ کثرت گواہوں کے سبب سے ایک ہفتہ تک فقط یہی مقدمہ کچہری مجسٹریٹی میں پیش ہوتا رہا۔ صاحب لوگوں کا تعصب ہم لوگوں سے یہاں تک تھا کہ جب بر وقت دربیشی مقدمہ کے ہم نے یہ درخواست کی کہ ہماری نماز کا وقت آگیا ہے ہم کو نماز پڑھنے کی اجازت بخشی جاوے تو یہ اجازت بھی ہم کو نہ دی گئی۔ مگر وہ ہمارا کیا کر سکتے تھے ہم نے عین دوران مقدمہ میں

تیمم کرکے بیٹھے ہوئے اشاروں سے نماز پڑھ لی۔ ایک ہفتہ کی کارروائی کے بعد ہمارا مقدمہ سپرد سشن ہوا اس وقت تک ہم پھانسی کے گھروں میں علیحدہ علیحدہ قید تھے بعد سپردگی سشن کے ہم سب کو ایک جگہ حوالات میں بند کردیا اب بعد ایک مدت کے تنہائی اور چلہ کشی کے جو ہم سب دوست ایک جگہ جمع ہوئے تو بڑی خوشی ہم لوگوں کو ہوئی۔ میں تو سعدی کا یہ شعر اکثر پڑھا کرتا تھا۔ ؎

پائے در زنجیر پیش دوستاں
بہ کہ با بیگانگاں در بوستاں

مگر ایک مدت دراز چار ماہ تک کے تخلیہ اور تنہائی سے بھی ہم لوگوں کو بہت روحانی فائدہ ہوا تھا۔ انوار الٰہی آئینہ صافیہ قلب میں خوب محسوس ہوتے تھے۔ نماز روزے میں کمال لذت حاصل ہوتی تھی کہ شاید وہ کیفیت برسوں چلہ کشی اور گوشہ نشینی میں بھی حاصل نہ ہوتی۔ اس وقت مولوی یحییٰ علی صاحب کی صحبت ایک مغتنمات سے تھی مگر محمد شفیع اور عبدالکریم یہ دونوں آدمی کسی قدر کشیدہ خاطر رہا کرتے تھے باقی ہم نو آدمی اس حوالات میں بھی نہایت شاداں اور فرحاں تھے۔ اور یہ خاکسار تو جب اپنی ذلیل النفسی اور کم علمی پر خیال کرکے انعامات الٰہی اور اس سرفرازی کو جو میرے حالی بد مآلی پر مبذول تھی مقابلہ کرکے دیکھتا تو سمجھتا تھا کہ میری مثل ٹھیک ایسی ہے کہ جیسے کسی چمار کے سر پر بلا واسطہ و سفارش و بلا استحقاق و لیاقت ذاتی کے تاج شاہی رکھ دیا جاوے۔ میں اور میرا حسب نسب اور لیاقت کہاں اور

یہ سرفرازی خدا کے راہ میں امتحان ہو کر ثابت رہنے کی کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ ایسے امتحانوں میں پیغمبر اور صحابہ لوگ بھی گھبرا جاتے تھے۔ اس صبر اور استقلال کے انعام کو خیال کر کے اوّل سے آخر تک میری زبان پر تو شکر ہی شکر جاری رہا۔ مولوی یحییٰ علی صاحب کی کیفیت اس سے بھی زیادہ پڑھ چڑھ کر تھی وہ اکثر اس رباعی کے مضمون کو ادا کرتے تھے ؎

لست ابالی حین اقتل مسلما　　علی ای شق کان فی اللہ مصرعی

و ذالک فی ذات الالہ وان یشأ　　یبارک علی اوصال شلو ممزع

ترجمہ:۔ "نہیں پرواکرتا ہوں میں جبکہ مارا جاؤں میں مسلمان کسی کروٹ پر ہو یعنی بچھاڑا جانا میرا طرف خدا کی اور یہ اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اگر چاہے برکت دیوے اوپر ملاپ ٹکڑوں پراگندہ کے"۔ اور یہ وہ رباعی ہے جب حضرت خبیبؓ ایک صحابی کو کفار مکہ پھانسی دینے لگے۔ اس نے نہایت جوانمردی سے یہ رباعی پڑھ کر راہ خدا میں جان دی اور شہید ہوا۔ اور اس کی موت کی خبر اور اس کا سلام خود جبرئیل علیہ السلام نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں پہنچایا تھا۔ مولوی یحییٰ علی صاحب بڑے درد اور عشق سے یہ شعر بھی اکثر سید صاحب کے فراق میں پڑھا کرتے تھے ؎

اپنا پیغام درد کا کہنا جب صبا کوئے یار سے گذرے
کونسی رات آپ آئیں گے دن بہت انتظار میں گذرے

کچھ عرصہ کے بعد آخر اپریل میں یہ مقدمہ باجلاس میجر ایڈورڈلس صاحب محکمہ سشن میں پیش ہوا۔ وہاں بھی ایک ہفتہ تک روبکاری ہوتی رہی محمد شفیع

اور عبدالکریم کی طرف سے مسٹر گڈال ایک بیرسٹر محکمہ مجسٹریٹی میں وکیل اور
پیروکار تھے اور جب یہ مقدمہ کچہری سشن میں پیش ہوا تو مولوی محمد حسن صاحب
اور مولوی مبارک علی صاحب نے جو پٹنہ والوں کی طرف سے پیروکار تھے مسٹر
پلوڈن نام ایک دوسرے وکیل کو بلایا۔ یہ وکیل بڑا جہاں دیدہ اور فہمیدہ ایک
مسن آدمی تھا۔ جب پلوڈن صاحب اپنا مختار نامہ کہ حوالات میں ہمارے
دستخط کرانے کو آیا تو مولوی عبدالرحیم صاحب مولوی یحییٰ علی صاحب والٰہی بخش
سوداگر وحسینی و قاضی میاں جان صاحب و عبدالغفار صاحب و منشی عبدالغفور
آٹھ مدعا علیہم نے اس پر دستخط کر دیے۔ مگر میں نے اپنے دستخط نہیں کیے
اور کہا کہ میں وکیل ہوں اپنی جواب دہی آپ کروں گا مولوی یحییٰ علی صاحب
اس تقرری وکیل اور بربادی روپیہ سے راضی نہ تھے بلکہ اگر دوسرے لوگ ان کو
نہ روکتے تو وہ اپنے نیک اعمال کا اقبال کرنے کو تیار تھے۔ مگر اُن کی طبیعت
کچھ ایسی سیدھی اور بے عذر تھی کہ جب اُن سے مختار نامہ پر دستخط کرنے کو کہا گیا
تو بے عذر اس پر بھی دستخط کر دیے۔ اب سرکار کی طرف سے میجر ونکٹیل صاحب
اور پارسن صاحب پیروکار اور وکیل تھے اور دس مدعا علیہم کی طرف دو وکیل
اور میں بذاتِ خود اپنی جواب دہی کرتا تھا۔ جب کوئی گواہ پیش ہوتا تو پہلے
اس کا بیان صاحب سشن جج آپ لکھتے اور سوال جرح کے خود کرتے۔ بعد
اس کے سرکاری وکلاء اور اس کے بعد ہر دو وکلاء مدعا علیہم۔ ایک دوسرے
کے بعد اور سب کے آخر میں یہ خاکسار سوالات جرح کے کرتا۔ چونکہ میں سب
سے زیادہ اس مقدمہ سے واقف اور ان گواہوں کے حالات اور علم لیاقت

سے بھی بخوبی آگاہ اور اس فن وکالت میں بھی پورا تجربہ حاصل اور اس وقت
بنسبت دوسروں کے مجھ کو خدا تعالیٰ سوالات جرح بھی خوب سوجھتا تھا۔
اکثر گواہ میرے سوالات کے جواب سے تنگ آکر دہائی دوہائی کرنے لگتے
تھے۔ اور بوجہ اجلاس عام ہونے کے بہت سے یورپین اور دیسی تماشہ بین
حاضر ہوکر یہ تماشہ دیکھا کرتے تھے۔ چار اسیسر دو ہندو دو مسلمان روسا
ضلع انبالہ سے بلائے گئے تھے۔ جب شہادت طرفین تمام ہوگئی تو مدعا علیہم
کے جواب لیے گئے۔ دس مجرموں کا جواب تو ان کے وکیلوں نے تحریری داخل
داخل کیا۔ اخیر میں صاحب سشن جج نے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ بولو
تمہارا کیا جواب ہے۔ تب میں نے ہر ایک ثبوت مدعا سرکار کی تہ دیدیاں
کر کے اپنا جواب نہایت مشرح اور مدلل لکھانا شروع کیا صاحب جج نے
اس میں سے کسی قدر لکھ کر بڑے غصہ سے مجھ سے کہا کہ اس جواب سے کچھ
فائدہ نہیں ہے بہتر یہ ہے کہ تم اپنے قصور کا اقبال کر کے عدالت کی مہربانی
اور رحم سے اپنی معافی مانگو۔ میں یہ مخالفانہ تعلیم کا سبق سن کر چپ ہو رہا اور
کہا کہ میں فقط انصاف چاہتا ہوں سو آپ سے اس کی امید نظر نہیں آتی۔ اس کے
بعد میں نے دس بارہ آدمی گواہ اپنی بریت کے بلانے چاہے سو وہ بھی بلائے
نہ گئے۔ بلکہ جب واقعہ ۲ مئی ۱۸۶۴ء روز سناتے حکم کے اپنے گواہوں
کو میں نے آپ حاضر کرا دیا تو بھی ان کے اظہار نہ لکھے گئے۔ مگر محمد شفیع اور
دوسرے اکثر مدعا علیہم کی طرف سے بہت گواہ گذرے لیکن بے سود۔ کون سنتا
ہے بلکہ محمد شفیع کی طرف سے ایک سو سے زیادہ سارٹیفکیٹ خیر خواہی وغیرہ بنگالی

سرکار وعدہ کارگذاری کے پیش ہوئے جن کی نسبت اس متعصب جج نے یہ لکھا ہے کہ ہر ہر فقرہ ان سارٹیفکٹوں کا محمد شفیع کے مجرم اور مستحق سزا ہونے پر ایک دلیل ساطع اور برہان قاطع ہے - ہمارے لائق اور دیرینہ وکیل مسٹر بلوڈن نے بہت سی قانونی کتابوں اور نظائر سے ثابت کر کے یہ جواب لکھا تھا کہ ملکہ ستھانہ وغیرہ مقامات جہاں یہ جنگ جس کی اعانت کرنے کا ان لوگوں پر الزام ہے واقعہ ہوا عملداری سرکار سے باہر ہیں اور لفظ جنگ کرنا یا ملکہ معظمہ یا بغاوتِ مصرحہ دفعہ ۱۲۱ تعزیراتِ ہند کسی جنگ وقوعہ بیرونِ حدود عملداری سرکار پر صادق نہیں آتا - چنانچہ تمثیل ب زیر دفعہ ۱۲۱ صاف لکھا ہے کہ زید نے جو ممالک ہند میں ہے باغیوں کو ہتھیار بھیجنے سے ایک لڑائی میں اعانت دی جو گورنمنٹ ملکہ معظمہ واقعہ سیلون کے مقابلہ میں اندر حدود ممالک مقبوضہ ملکہ کے ہوئی تو زید ملکہ معظمہ سے جنگ کرنے میں اعانت کا مجرم ہوگا - اس واسطے ان لوگوں کو اس دفعہ کی رو سے سزا نہیں ہو سکتی جب صاحب سشن جج اور دوسرے انگریزوں نے یہ دلیل وکیل کی سنی تو ایک دم سرد ہو گئے اور سوائے ہاں اور بجا کے کوئی جواب نہ بن آیا - مگر اس مقدمہ میں تو انگریزوں کو پرلے سرے کا تعصب تھا - شروع کارروائی سے اس مقدمہ میں قانون طاق پر رکھ دیا تھا اس واسطے بعد لینے اس جواب کے واسطے واسطے مشورہ باہمی کے مقدمہ کو چند روز کے واسطے ملتوی کر دیا گیا - اور جان لارنس صاحب بہادر گورنر اور دوسرے بڑے بڑے افسروں سے جو خواہ مخواہ ہمارا قلع قمع ہی چاہتے تھے مشورہ کیا گیا ان کو تو خود غرضوں نے یہ سوجھا رکھا تھا کہ

اگر ان چند غریبوں کو پھانسی دے کر وہابیوں کا ہند سے قلع قمع نہ کر دو گے عملداری سرکار ہند میں رہنا محال ہے پھر قانون کو کون سنتا ہے۔

باب (۷)

فیصلہ

بعد التوائے دراز کے ۲ مئی سنہ ۱۸۶۴ء کو پھر ایک آخری اجلاس سشن ہوا اور جج صاحب موصوف اپنی تجویز اور فتویٰ سزا اپنے گھر پر بیٹھ کر حسب ایما گورنر صاحب کے لکھ لائے تھے۔ اس دن اجلاس میں بیٹھنے کے ساتھ ہی پہلے چاروں اسیسروں سے سشن جج صاحب نے مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ آپ لوگوں نے اس مقدمہ کو اول سے آخر تک سنا اب جو آپ کی رائے ہو لکھ کر پیش کرو۔ ہم نے دیکھا کہ یہ چاروں اسیسر اس وقت بھی ہماری شکلوں کو دیکھ دیکھ آنسو بھر بھر لاتے تھے اور دل سے ہماری رہائی کے خواہاں تھے۔ مگر جب صاحب جج و کمشنر کی رائے کو ہماری سزا پر مائل پایا تو مارے ڈر کے انہوں نے بھی لکھ دیا کہ ہمارے نزدیک بھی جرم متدرجہ فرد قرار داد ان پر ثابت ہے۔ پھر تو صاحب جج و کمشنر نے بعد حصول اس حیلۂ قانونی کے اپنی تجویز جو پہلے سے میز پر لکھی ہوئی رکھی تھی پڑھنی شروع کی جس میں آئیں بائیں شائیں کر کے پلوڈن صاحب کی عمدہ دلیل کا جواب تھا اور پھر سب سے پہلے میری طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم بہت عقلمند اور ذی علم

اور قانون دان اور اپنے شہر کے نمبردار اور رئیس ہو۔ تم نے اپنی ساری عقلمندی
اور قانون دانی کو سرکار کی مخالفت میں خرچ کیا۔ تمہارے ذریعہ سے آدمی اور
روپیہ سرکار کے دشمنوں کو جاتا تھا۔ تم نے سوائے انکار بحث کے کچھ حیلہ بھی
خیر خواہی سرکار کا دم نہیں بھرا اور باوجود فہمائش کے اس کے ثابت کرانے
میں کچھ کوشش نہ کی اس واسطے تم کو پھانسی دی جاوے گی۔ اور تمہاری کل
جائداد ضبط سرکار ہوگی اور تمہاری لاش بھی تمہارے وارثوں کو نہ دی جاوے گی بلکہ
نہایت ذلت کے ساتھ گورستان جیل میں گاڑ دی جاوے گی۔ اور اخیر میں یہ
کلمہ بھی فرمایا کہ میں تمہیں پھانسی پر لٹکتا ہوا دیکھ کر بہت خوش ہونگا۔ یہ سارا
بیان صاحب موصوف کا میں نے نہایت سکوت سے سُنا مگر اس آخری فقرہ کے
جواب میں میں نے کہا کہ جان دینا اور لینا خدا کا کام ہے۔ آپ کے اختیار میں
نہیں ہے وہ رب العزت قادر ہے کہ میرے مرنے سے پہلے تم کو ہلاک کرے
لیکن اس جواب باصواب پر وہ بہت خفا ہوا مگر پھانسی کا حکم دینے سے زیادہ
اور کیا کر سکتا تھا۔ جس قدر سزائیں اُس کے اختیار میں تھیں سب دے چکا
تھا۔ لیکن اس وقت میرے منہ سے یہ الہامی فقرہ ایسا نکلا تھا کہ میں تو اس وقت
تک زندہ موجود ہوں مگر وہ اس حکم دینے کے تھوڑے عرصہ بعد ناگہانی موت
سے راہی ملکِ عدم ہوا۔ مجھ کو اپنی اُس وقت کی کیفیت خوب یاد ہے
کہ میں اس حکم پھانسی کو سُن کر خوش ہوا تھا کہ شاید ہفت اقلیم کی سلطنت ملنے
سے بھی اس قدر مسرور نہ ہوتا۔ اس حکم کے سننے سے میری وہ کیفیت ہوئی کہ گویا
جنت فردوس اور حوریں آنکھوں کے سامنے پھرنے لگ گئیں تھیں میرے بعد

مولوی یحییٰ علی صاحب اور اُن کے بعد محمد شفیع اور اُن کے بعد نمبر دار سب آدمیوں کو حکم سزا کا سُنا دیا گیا۔ جن میں میں اور مولوی یحییٰ علی صاحب اور حاجی محمد شفیع تین آدمیوں کے واسطے پھانسی وغیرہ حسب مذکورہ بالا اور باقی اُٹھ مجرموں کو دائم الحبس بعبور دریائے شور معہ ضبطی کل جائداد کے سزائیں ہیں نے مولوی یحییٰ علی صاحب کو بھی نہایت بشاش پایا لیکن محمد شفیع کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا تاہم اُنھوں نے بھی اپنی طبیعت کو بہت تھاما۔ اس دن پولیس والے اور تماشہ بین مرد عورت بکثرت حاضر تھے قریب تمام کے احاطہ کچہری ضلع انبالہ کا خلقت سے بھرا ہوا تھا۔ حکم سُنا کر اس کا چپ ہوتا تھا کہ صدہا مسلح اہل پولیس زیر حکم کپتان پارسن صاحب میرے نزدیک آ کر کہنے لگا کہ تم کو پھانسی کا حکم ملا ہے تم کو رونا چاہیے تم کس واسطے اتنا بشاش ہے۔ میں نے چلتے چلتے اس کو بولا کہ شہادت کی امید پر جو سب سے بڑی نعمت ہے اور تم اس کو کیا جانو۔ اس مقام پر یہ بات بھی بیان کرنا ضروری ہے کہ پارسن صاحب بھی ایڈورڈس صاحب سے بڑھ کر متعصب تھا اور اس مقدمہ میں شروع سے اُس نے ہم لوگوں پر بہت ظلم کیا تھا کہ جس کی تفصیل یہ قلم بھی نہیں کر سکتی مگر خداوند تعالیٰ منتقم حقیقی تو موجود تھا گو اس کے کام دیر اور سہولت سے ہوتے ہیں۔ ہم کو سزا ہو کر تھوڑے دن گذرے تھے کہ یہ بے خوف بھی دنیا ہی میں پاگل ہو کر راہیِ ملکِ عدم ہوا۔ اس دن تماشہ بین لوگ ہماری پھانسی کا حکم سُن کر اکثر زار زار روتے تھے۔ کوئی خدا کی مرضی اور رضا بقضا سے اپنے رنج کو رو کتا تھا کوئی دم بخود ساکت ہو کر ہم کو دیکھ رہا تھا جیل خانہ تک سیکڑوں مرد

عورت ارد گرد سڑک کے ہمارا مُنہ دیکھتے ہوتے چلے گئے۔ اسی حالت کے اندر پولیس ہم کو جیل خانہ میں لے گئی۔ اور ہم سب کو گیروا لباس پہنا دیا۔ ہم تین پھانسی والوں کو علیحدہ علیحدہ تین پھانسی گھروں میں بند کر دیا۔ باقی آٹھ آدمیوں کو جیل خانہ میں دوسرے قیدیوں کے ساتھ ملا دیا۔ ۲ مئی کی رات کو جب ہم ان تنگ و تاریک کوٹھڑیوں میں جو نواب سراج الدولہ کے بلیک ہول "قلعہ کلکتہ" سے بھی بڑھی ہوئی تھیں بند ہوتے تو پہلی ہی رات کو جہنم کا نمونہ ہو گیا۔ اس کی صبح کو ہم نے اہلکاران جیل خانہ سے اپنی یہ تکلیف بیان کر کے چاہا کہ کسی طرح ہم کو بوقت شب ان کوٹھڑیوں سے باہر رکھا جاوے۔ مگر سب اہالی جیل خانہ مارے ڈر کے انکار کر کے باہر چلے گئے۔ لیکن ان کا انکار کر کے جیل خانہ سے باہر نکلنا تھا کہ سامنے سے ایک سوار تار گھر سے ایک لفافہ فوری لے کر پہنچا۔ لفافہ کھول کر جو دیکھا تو اُس میں یہی لکھا تھا کہ ان تینوں پھانسی والوں کو بوقت شب میدان میں باہر سلایا کرو۔ یہ طرفہ تماشا تائید الٰہی کا دیکھ کر اسی جیل خانہ والوں نے ہم کو یہ حکم سنا دیا۔ ہمارے واسطے بڑے اہتمام سے تین نئی پھانسیاں اور اُس کے ریشمی رسّے تیار ہوتے اور ادھر مِسّل مقدمہ کو واسطے منظوری پھانسی کے محکمہ چیف کورٹ پنجاب میں بھیج دیا۔

باب (۸)

چیف کورٹ

ہمارے دونوں وکیل بھی کچھ زائد محنتانہ لے کر معہ مولوی محمد حسین صاحب اور مولوی مبارک علی صاحب و محمد سعید میرا بھائی و عبدالرحمٰن پسر محمد شفیع کے چیف کورٹ میں پہنچے اور میجر وِنکنیل صاحب وغیرہ سرکاری وکلا اور سرکار بھی سب سے پہلے حاضر ہوئے۔ اور جیل میں نقل حکم منگا کے میں نے بھی ایک اپیل خوب مدلل لکھ کر معرفت سپرنٹنڈنٹ جیل کے چیف کورٹ روانہ کر دیا۔ یہ چیف کورٹ میں بھی چند اجلاسوں میں بڑی دھوم دھام کے ساتھ یہ مقدمہ پیش ہوا اور وہاں بھی مسٹر پلوڈن ہمارے وکیل نے بڑے دلائل سے باصرار تمام کہا کہ زیر دفعہ ۱۲۱ یہ لوگ ہرگز قید نہیں ہو سکتے۔ اس دفعہ کے رو سے ان کو قید کرنا سراسر خلاف قانون ہے۔ کوئی دوسری دفعہ ان پر قائم کرو۔ مسٹر رابرٹ کسٹ صاحب نے جو اس زمانہ میں جوڈیشل کمشنر تھے۔ اس قانونی دلیل وکیل کو بر سر اجلاس تسلیم کر لیا لیکن وہاں بھی مشورہ کرنے کے واسطے چند روز کا التوا کیا گیا۔ اس کے بیچ میں اخبار والوں نے اپنی اپنی رائے لگا دی کہ یہ لوگ رہا ہو چکے فقط حکم سنانا باقی رہ گیا ہے۔ ہمارے گھر والوں کو تو ہماری رہائی پر اس قدر یقین ہو گیا تھا کہ ہمارے گھر سے ایک نیا جوڑا کپڑوں کا بھی تیار ہو کر آ گیا تھا کہ بروز رہائی میں اس کو پہن کر گھر آؤں گا۔

چیف کورٹ کا التوا بہت لمبا ہوا۔ غالباً ولایت تک کی رائے ہم کو خلاف قانون قید کرنے پر لی گئی۔ ۲ مئی تاریخ سنانے حکم پھانسی سے ۱۴ ستمبر تک ہم پھانسی گھروں میں بند رہے۔ اہالیان جیل ہمارے پھانسی دینے کا سامان تیار کر رہے تھے اور اُدھر ہم انگریزوں کا تماشا بن رہے تھے۔ صد ہا صاحب لوگ اور میم روزانہ ہمارے دیکھنے کو پھانسی گھروں میں آتے تھے۔ مگر بخلاف دوسرے عام پھانسی والوں کے ہم کو نہایت شاداں و فرحاں پاکر یہ یورپین زوار بہت تعجب کرتے۔ اکثر ہم کو پوچھتے تھے کہ تم کو بہت جلد پھانسی ہوگی تم خوشی کس واسطے کرتے ہو۔ ہم اس کے جواب میں صرف اسی قدر کہہ دیتے کہ ہمارے مذہب میں خدا کی راہ میں ایسے ظلم سے مارے جانے پر درجہ شہادت کا ملتا ہے اس واسطے ہم کو خوشی ہے تا آن الٰہی سے ہم پھانسی گھروں ہی میں تھے کہ بقر عید آگئی۔ ہم کو خیال ہوا کہ آج مسلمان خوب قربانی کا گوشت اُڑاتے ہوں گے۔ اس خیال کے تھوڑی دیر بعد بوقت شب پلاؤ اور قورمہ اور قلیہ اور کباب وغیرہ بقر عید کے کھانے سب ہمارے واسطے اسی پھانسی گھر میں غیب سے موجود ہو گئے۔ ہم نے خوب سیر ہو کر کھایا اور شکر الٰہی ادا کیا۔ ایک رات کو اسی پھانسی گھر میں ہم تینوں آدمی ایک جگہ بیٹھے ہوئے باتیں کرتے تھے کہ اس وقت ہمارے سب محافظ آپس میں صلاح کر کے ہم سے کہنے لگے کہ تم تینوں آدمی اس وقت اندھیری رات میں بھاگ جاؤ ہم کو بجرم غفلت کچھ قید وغیرہ کی سزا ہو جائے گی سو ہم اس کو بھگت لیویں گے لیکن تمہاری تو جان بچ جاوے گی۔ ہم لوگوں نے

یہ بات سُن کر اُن کی ہمت اور نیت خیر کا شکر ادا کیا اور کہا کہ خدا وند کریم دونوں جہان میں اس نیک نیتی کا اجر تم کو دیوے مگر ہم نہیں بھاگیں گے جب خدا چھڑاوے گا آپ سے آپ چھوٹ جاویں گے اور میں نے یہ بھی کہا کہ جب اس کی مرضی تو تھی تو بھائیوں میں علی گڑھ سے پکڑا ہوا آگیا اب ہم سے ایسی حرکت دوبارہ نہ ہوگی۔ بقول شاعر ؎

رشتہ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

جب ہم پھانسی کے گھروں میں قید تھے تو قاضی میاں جان صاحب بیمار ہو کر ہسپتال میں گئے۔ مگر ہسپتال سے بھی اکثر ہماری ملاقات کے واسطے پھانسی گھروں میں آیا کرتے تھے۔ اپنے مرنے کے وقت ایک دو دن پہلے انھوں نے یہ خواب دیکھا تھا کہ ایک تخت جواہر نگار آسمان سے اُترا اور اُن کو اس پر بٹھلا کر آسمان پر لے گئے۔ اس کے دوسرے دن اُن کی وفات ہوگئی اور تعبیر خواب وہی ہوئی کہ وہ تخت فردوس سے اُن کے لینے کے واسطے آیا تھا اور لے گیا۔ یہ بزرگ ہم لوگوں میں سب سے زیادہ مسن تھے۔ مگر باایں ہمہ بڑے صابر اور مستقل مزاج تھے۔ خداوند کریم ان کو جنت نصیب کرے۔ ہمارے ہمراہیوں نے اُن کو غسل او کفن دیکر اور اُن کی نماز جنازہ پڑھ کر گورستان جیل میں اُن کو دفن کرا دیا۔ جب ہم پھانسی گھروں میں بند تھے انہیں ایام میں ایک رات کو بمقام تھانیسر میری والدہ کو ایک سانپ نے کاٹا۔ اس کے زہر سے اُن کا انتقال ہوگیا۔

مناہے کہ وہ بھی بہت استقلال سے جاں بحق تسلیم ہوئیں۔ بہت لوگوں نے کچھ مشرک جھاڑ پھونکنے والوں کو بلا کر اُن کی صحت کے واسطے کچھ رسومات شرک کرنا چاہا تھا۔ مگر انہوں نے فرمایا کہ میرے گھر سے شرک بدعت مدت سے اُٹھ گیا ہے۔ اب میں اپنے بیٹے کی غیر حاضری میں اپنے گھر میں شرک نہ ہونے دوں گی۔ ایسی بے ایمانی کی حیات سے موت افضل ہے۔ جب ان کے مرنے کی خبر ہم کو بھانسی گھر میں پہنچی تو مولوی یحییٰ علی صاحب نے مراقبہ میں اسی رات کو دیکھا کہ وہ بڑی شان و شوکت سے جنت میں ایک تخت پر بیٹھی ہیں۔ مولوی صاحب نے اُن سے پوچھا کہ یہ مرتبہ عالی آپ کو کس سبب سے ملا۔ انہوں نے فرمایا کہ میرے بیٹے کی مصائب پر صبر کرنے کے سبب سے مجھ کو میرے رب نے بخشش دیا اور یہ مدحِ عنایت کیا اس وقت ان کی وفات بھی ایک امتحان پر امتحان تھا۔ کہ جان و مال۔ آبرو ہر شے کی پوری پوری جانچ کی جاوے۔

(۹)
باب
کالاپانی

مستحق دار کو حکم نظر بندی ملا
کیا کہوں کیسے رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی

ایک یہ بات بھی اس مقام پر قابل تذکرہ ہے کہ جس زمانہ میں ہم لوگ

پھانسی گھروں میں قید تھے۔ انہیں ایام میں ایک مقبول بارگاہ الٰہی پر اللہ رب العزت نے یہ منکشف کرا دیا تھا کہ ہم لوگوں کو پھانسی نہ ہوگی۔ مگر کالے پانی کو جانا ہوگا۔ اور وہیں وہاں سے پھر زندہ باعزت واپس آؤنگا۔ ہماری پھانسی کی موقوفی کا حکم اس پیشین گوئی کے ۲۰ ماہ بعد ہوا۔ مگر ہم لوگوں میں اس پیشین گوئی سے پورا پورا یقین موقوفی پھانسی اور کالے پانی کو جانے کا ہوگیا تھا چنانچہ میں نے اپنے بھائی اور بعض دوستوں کو اسی وقت اس خوش خبری کی اطلاع بھی لکھ دی تھی۔ مگر اس وقت کہ جب ساری سلطنت انگریزی باتفاق ہمارے پھانسی دینے پر مستعد تھی اور ظاہراً کوئی صورت موقوفی پھانسی کی نظر نہ آتی تھی۔ شاید کسی کو اس پیشین گوئی کا یقین نہ ہوا ہو کیونکہ وہ ایک ایسا وقت تھا کہ اگر کوئی شخص ہمارے واسطے ذرا بھی کلمۂ خیر کہتا تو قید ہو جاتا تھا بیسیوں آدمی ہمارے شہر کے فقط اسی قسم کے قصوروں میں قید ہو گئے تھے۔ کہ ان کے پاس سے کوئی ایک میرا اسباب نکل آیا یا بعد ضبطی و نیلام میرے مکانات کے میرے بال بچوں کو کسی نے اپنے گھر میں رہنے کو جگہ دے دی۔ اس وقت اگر شاہ روم بھی میری سفارش انگریزوں سے کرتا تو کبھی منظور نہ کرتے۔ ایسے حالات میں موقوفی پھانسی محض غیر ممکن اور بعید از قیاس تھی۔ اب اس مقلب القلوب کی ظاہری کارروائی کو سنیے۔ جب بہت سے صاحب اور میم ہم کو پھانسی گھروں میں نہایت شاداں و فرحاں دیکھ گئے تو یہ چرچا صاحب لوگوں میں پھیلا تب ان صاحب لوگوں نے جو ہمارے جانی دشمن تھے یہ خیال کیا کہ ایسے دشمنوں کو منہ مانگی موت شہادت جس کے واسطے

وہ ایسا خوش ہو رہے ہیں، دینی نہیں چاہیے۔ بلکہ ان کو کالے پانی بھیجکر وہاں کی مصائب اور سختیوں سے ہلاک کرانا چاہیے۔ ہم نے دیکھا کہ مطابق اسی ہماری پیشینگوئی کے صاحب ڈپٹی کمشنر انبالہ ۱۶ ستمبر کو پھانسی گھروں میں تشریف لائے اور چیف کورٹ کا حکم ہم کو پڑھ کر سنا دیا۔ کہ تم لوگ پھانسی پڑنے کو بہت دوست رکھتے ہو اور شہادت سمجھتے ہو اس واسطے سرکار تمہاری دل چاہتی سزا تم کو نہیں دیوے گی۔ تمہاری پھانسی سزائے دائم الحبس بعبور دریائے شور سے بدل گئی۔ بمجرد سُننا نے اس حکم کے ہم کو پھانسی گھروں سے دوسرے قیدیوں کے ساتھ بارکوں میں ملا دیا اور جیل خانہ کے دستور کے موافق مقراض سے ہماری ڈاڑھی مونچھ اور سر کے بال وغیرہ سب تراش کر مُنڈی بھیڑ سا بنا دیا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ مولوی یحییٰ علی صاحب اپنی ڈاڑھی کے کترے ہوئے بالوں کو اٹھا اٹھا کر کہتے تھے کہ افسوس نہ کر تو خدا کی راہ میں پکڑی گئی اور اس کے واسطے کتری گئی۔

باب (۱۰)

مشقّت

ایک تماشہ قدرت الٰہی کا اور بھی قابل ذکر کرنے کے ہے اور وہ یہ ہے کہ بوجہ میرے بھاری مجرم ہونے کے میرے واسطے رسّہ اور پھانسی کی لکڑی خاص طور پر نہایت مضبوط تیار ہوئی تھی۔ مگر زبردستی تقدیر سے میری

پھانسی تو موقوف ہوگئی اسی اثنا میں بجرم قتل ایک خاص ولایت کے
انگلشمین گورہ کو پھانسی کا حکم ملا۔ اور وہ سب سامان پھانسی جو میرے
واسطے تیار ہوا تھا اس بے چارے یوروپین ہم قوم کے نصیب ہوا چاہ کن
را چاہ درپیش۔ جو رسہ بڑے اہتمام سے میرے گلے میں ڈالنے کے واسطے
تیار ہوا تھا اُس قادر مطلق مقلب القلوب نے ایک ذات بھائی کے گلے میں
ڈلوا دیا۔ اور مجھ کو صاف بچا لیا۔ اس وقوعۂ عجیبہ کے بعد لوگ اس اسرار
الٰہی کو ایک بڑی آیات الٰہی سے سمجھتے تھے۔ اسی سبب سے بعد پھانسی
اس گورے کے وہ رسہ بھی ٹکڑے ہو کر تبرکاً لوگوں میں تقسیم ہو گیا بعد منسوخی تنسیخ
حکم پھانسی کے جب دوسری فجر کو ہم تینوں آدمی بھی دوسرے قیدیوں کے
ساتھ مشقت میں بھیجے گئے تو نبی بخش داروغہ جیل اور رحیم بخش نائب داروغہ
اور دوسرے سب دیسی افسر گو ہمارے عنایت فرما تھے مگر بوجہ خوف صاحب
سپرنٹنڈنٹ جیل کے ہم تینوں آدمیوں کو کاغذ کوٹنے کی ڈھینکلی کے کام
میں جو اس جیل میں سب سے زیادہ سخت کام ہے دے دیا۔ تھوڑی دیر تک
جب ہم نے اس کو پاؤں سے ہلایا تو پاؤں شل ہو گئے۔ مگر اُسی وقت
ڈاکٹر ہٹسن صاحب عُرف ریلو سپرنٹنڈنٹ جیل کے کاغذ گھر میں تشریف
لائے تو ہم ڈھینکلی کے سخت کام میں دیکھ کر داروغہ پر بہت خفا ہوتے اور
ہم کو اس سخت کام سے نکال کر محمد شفیع اور مولوی یحییٰ علی صاحب کو توست
کھولنے کے کام میں لگا دیا اور میرا ہات پکڑ کر مجھ کو ایک ناؤ گلی کے پاس
جس میں کاغذ پھاڑ کر بھگوتے تھے لے گئے۔ اور مجھ سے فرمایا کہ یہ دفتر

کی ردی ہے۔ غالباً تمہارے ہاتھ کے لکھے ہوئے کاغذ بھی اس میں مزول ہوں گے تم اپنا دل بہلانے کو ان کاغذات کو پڑھتے بھی رہو اور ردی کو پھاڑ کر اس تاؤ میں ڈالتے جاؤ۔ فضل الٰہی سے میری مشقت بھی دل لگی اور تفریح طبع سے خالی نہ تھی اور ہمارے دوسرے ساتھی بھی تائید الٰہی سے کسی سخت کام میں نہ تھے۔ ہم دن بھر کام کر کے رات کو سب کے سب ایک جگہ بارک میں جا کر سو رہتے۔ جب ہم جیل میں گئے تو قیدیوں کو صرف روٹی اور دال اور ہفتے میں دو یا تین دن ترکاری تیل سے بھگاری ہوئی ملا کرتی تھی۔ گھی اور گوشت یا دودھ دہی کبھی کسی قیدی نے ابتدائے عملداری سرکار سے خواب میں بھی نہ دیکھی ہوگی۔ اب تائید الٰہی کا کارنامہ سنیے ہمارا جیل میں داخل ہونا تھا کہ بحکم انسپکٹر جنرل مجلس پنجاب کو عمدہ گوشت اور گھی اور دہی ملنے لگی ان نعماء غیر مترقبہ کو دیکھ کر سب قیدی ہم کو دعا دیا کرتے تھے کہ تمہارے سبب سے ہم نے بھی یہ نعمتیں کھائیں۔ مگر طرفہ یہ کہ جب تک ہم لوگ جیل ہائے پنجاب میں رہے تب تک یہ چیزیں سب جیل خانوں میں برابر ملتی رہیں مگر ہمارا کالے پانی کو روانہ ہونا تھا کہ پھر وہ چیزیں یک قلم بند ہو گئیں۔ بلکہ بجائے گیہوں کی روٹی کے ہمارے جانے کے بعد جوار باجرے کی روٹیاں بے چارے قیدیوں کو ملنے لگیں۔ ہم جیل انبالہ ہی میں تھے کہ وبائی بخار مع سرسام بڑے زور شور سے قیدیوں میں پھیلا کہ بہت سے قیدی اسی مرض سے فوت ہو گئے۔ اور یہ کیفیت تھی کہ ادھر بخار آیا ادھر سرسام ہوا اور چٹ سے مر گیا۔ جیسے دو دو مہینے کی میعاد والے قیدی بھی بہت

مر گئے جیل کے باہر خیمے کھڑے کر کے قیدیوں کو وہاں لے گئے۔ مگر حضرت بخار وہاں بھی ساتھ رہے۔ یہ خاکسار بھی اس وبائے عام سے نہ بچا اور سخت بیمار ہو کر شفاخانہ جیل میں داخل ہوا۔ ڈاکٹر ہٹسن صاحب بہت توجہ دلی سے میرا علاج کرتے تھے لیکن بخار کو ذرہ بھی افاقہ نہ ہوا۔ گو سرسام کی نوبت نہ پہنچی تھی مگر میں بے آب و دانہ چند روز تک بے ہوش پڑا رہا۔ انگریزی دوائیں ذرہ بھی مجھ پر اثر نہ کرتی تھیں۔ لاچار ہو کر ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ تم اپنے گھر میں اس مرض کے واسطے کیا دوا کھاتے تھے۔ میں نے کہا ہندوستانی دوائیں کھاتا تھا۔ اور ایسے مرض میں میں نے انگریزی دوا کبھی نہیں کھائی تھی لہٰذا اس سبب سے اُن کا کچھ اثر مجھ پر نہیں ہوتا تب اُنھوں نے فرمایا کہ اُن دوائیوں کا نام بھی تم کو معلوم ہے۔ میں نے کہا مجھ کو معلوم ہے تب اُنھوں نے کہا اچھا وہ دوائیں ایک کاغذ پر ہم کو لکھ دو ہم بازار سے تمہارے واسطے منگوا دینگے۔ تب میں نے مربہ سیب و مربہ بہی و شربت انار و شربت نیلوفر و ورق نقرہ وغیرہ وغیرہ عمدہ عمدہ مزے دار و مفرح دوائیاں ایک کاغذ پر لکھ دیں اُنھوں نے اسی وقت وہ سب بازار سے منگوا کر میرے حوالہ کر دیں مارے بیماری کے زبان کا مزہ تو بگڑا ہوا تھا میں نے اُن کو یکے بعد دیگرے کھانا شروع کیا۔ بخار تو قسم محرقہ سے تھا ان شربتوں کے استعمال سے دوسرے دن دفع ہو گیا اور مربوں اور اوراقِ نقرہ سے بدن اور معدہ میں بھی طاقت اور قوت آگئی ڈاکٹر صاحب نے جب دوسرے دن مجھ کو تندرست پایا تو بہت خوش ہوئے اور قوت کے واسطے شوربا گوشت اور دودھ میرے واسطے مقرر کر دیا۔ مجھ کو اس مقام پر اس

دولت دنیا اور حشم و جاہ کی ناپائیداری اور حالت سیمابی اور ہرجائی کا تھوڑا سا ذکر کرنے کا بھی موقع ملا ہے اور اس کی کیفیت مختصر اس طرح پر ہے کہ ۱۲ تاریخ دسمبر کو اپنی خانہ تلاشی سے تھوڑی دیر پہلے تک میں ہزاروں روپیہ کی جائداد منقولہ و غیر منقولہ پر قابض تھا۔ بیسیوں آدمی میری رعیت رہتے تھے ایسے بڑے شہر کا نمبردار گھوڑے اور گاڑیوں میں سوار ہوا پھرتا تھا ہر کام کے میرے گھر میں نوکر چاکر تھے یا اس کے چند گھنٹہ پیچھے جب بعد تلاشی میں فرار ہو گیا تو وہ سب جاہ و حشم خاک میں مل گیا بوجہ میرے فرار یا زیادہ غصہ کے انگریزوں نے قبل از صدور حکم اخیر مقدمہ کے میری کل جائداد پہلے ہی دن قرق کر لی تھی۔ دوسرے دن خود میرے عزیزوں کو کوئی اپنے برآمدہ میں بھی کھڑا نہ ہونے دیتا تھا ایک ہی رات میں وہ سب مال دوسروں کا ہو گیا۔ میرے وارثوں کو اس قدر موقع بھی نہ ملا کہ کوئی جائداد قبل از قرقی علیحدہ کر لیویں اور بعد صدور حکم ضبطی کے جب میرے بھائی نے جو اس کا وارث تھا اپنے حصہ کا دعویٰ کیا تو اس کو بھی فقط ایک کوڑی دے کر کل جائداد منقولہ غیر منقولہ ضبط کر کے نیلام کر دی۔ میں نے بنظر دور اندیشی اپنے حصہ کی کل جائداد کو اپنی بیوی کے مہر میں مکفول کر کے ایک بیعنامہ شرعی اس حادثہ سے سات برس پہلے بروز نکاح اپنی بیوی کے نام لکھ دیا تھا وہ بیعنامہ بھی پیش ہوا مگر مارے غصے اور تعصب کے کسی نے بھی نہ سنا اور میری بیوی کو معہ دو نابالغ شیر خوار بچوں کے ہاتھ پکڑ کر گھر سے نکال دیا۔ بعد تبدیلی حکم پھانسی ہم ستمبر سنہ ۱۸۶۴ء سے فروری سنہ ۱۸۶۵ء تک جیل انبالہ میں رہے۔ اکثر اوقات محمد شفیع کے گھر سے بہت سا کھانا عمدہ عمدہ قسم کا

ہمارے واسطے آیا کرتا تھا اور ہم لوگ اس کو جیل میں نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر بڑے مزے سے کھایا کرتے اور شکر الٰہی بجا لاتے یہاں تک اپنی تعریف آپ لکھ کر میرا نفس بہت پھول گیا ہے اور اکثر مقامات پر اپنی تعریف میں مبالغہ کرنا چاہتا ہے لہٰذا اس کے دو عیب بھی یہاں تحریر کر دوں تاکہ اس موذی خود پسند کو ذرا ذلت ہو اور پھر مجھ کو مبالغہ کرنے کی ترغیب نہ دے اور وہ یہ ہے کہ ایک دن رات کو جب ہم ایک مقفل بارک میں سوتے تھے ایک سپاہی محمد شفیع کے گھر سے پلاؤ لے کر آیا۔ ایک جنگلے کی راہ سے وہ پلاؤ لینے کو میں گیا۔ پلاؤ لیتے وقت میرے اس نفس سے نہ رہا گیا ایک بڑی بوٹی پلاؤ کی اٹھا کر منہ میں ڈال لی اور تھوڑا سا چبا کر جھٹ پٹ اس کو نگل لینا چاہا وہ مال مسروقہ حلق میں کیسے اترے حلق میں جا کر اڑ گئی نہ نیچے جاتی تھی نہ اوپر آتی تھی میرا دم بند ہو گیا میں لڑکھڑا کر گر پڑا وہ نفس کا عیب ہمارے سب ساتھیوں پر ظاہر ہو گیا۔ جب میرا گلا ملا گیا تو وہ بوٹی بجنسہٖ باہر نکل آئی۔ میں نے اپنی جان پر بری اور مال مشتبہ کے حلق سے نیچے نہ جانے پر شکر الٰہی کیا گو محمد شفیع سے ہمارا معاملہ واحد تھا اور اس کی معناً اجازت بھی ہر طرح سے ہم کو حاصل تھی مگر تو بھی یہ حرکت سفلانہ اور نہایت نازیبا تھی۔ مگر حمد ہے اللہ کا کہ اس نے نفس موذی کو بھی ذلت دلائی کہ اب تک اس کو یاد ہے اور مجھ کو اس مال مشتبہ یا مسروقہ کے کھانے سے محفوظ رکھا۔ ایک اس سے بڑھ کر اپنے نفس کی شرارت کا حال اور سناتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ ایک دس روپے کا نوٹ جیل انبالہ میں بذریعہ ڈاک منشی عبد الغفور خاں ہمارے ایک ساتھی

کے گھر سے بذریعہ میرے بھائی کے میرے پاس آیا تھا۔ اس وقت میرے بھائی کو جیل کے باہر کچھ روپیہ کی ضرورت تھی۔ میں نے منشی عبدالغفور سے اس کے آنے کی اطلاع نہیں کی اور باہر سے اپنے بھائی کو وہ نوٹ دلا دیا اور اس نے اپنے کام میں اس کو خرچ کر لیا۔ جب منشی عبدالغفور خاں کو اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے میری کچھ شکایت تو نہ کی کیونکہ وہ میرے گھر میں برسوں تک رہے تھے اور مجھ کو اپنا بزرگ جانتے تھے اور اسی بھروسے پر میرے نفس نے یہ جرأت بھی کی تھی تاہم دوسرے لوگوں نے مجھ پر بہت طعن لعن کی تھی کہ دس روپیہ اُن کو پھر دے دوں لیکن بعد پہنچنے پورٹ بلیر کے جب میرے ہاتھ میں روپیہ آیا تو میں نے وہ دس روپے بذریعہ نوٹ اُن کو جیل لاہور میں بھیج دیئے۔ اور اب بعد اظہار ان ہر دو عیب اپنے نفس کے میں اللہ رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ مجھ کو معاف فرما دے اور میدان محشر میں نیکوں کے سامنے مجھے ذلیل نہ کرے۔

باب (۱۱)

مولوی احمد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

جس زمانہ میں ہمارا اپیل چیف کورٹ پنجاب میں دائر تھا اس وقت ہمارے وکیل بلوڈن صاحب نے ہم کو یہ خبر دی تھی کہ انگریزوں کا یہ ارادہ ہے کہ اگر عندالاپیل ہم لوگ چیف کورٹ پنجاب سے رہا ہو جاویں تو خیر

ہے ورنہ بعد نامنظوری ہمارے اپیل کے یہ لوگ مولوی احمداللہ صاحب کو بھی قید کریں گے۔ چنانچہ بعد نامنظوری اپیل کے مولوی احمداللہ صاحب کے اوپر منجملہ ہم گیارہ نفس سزا یافتہ کے جھوٹے گواہ سکھلا پڑھا کر بنانے شروع ہوئے۔ میر مجیب الدین تحصیلدار ساکن نارنوال جو کسی قصور رشوت ستانی میں جیل انبالہ میں قید تھا اور بظاہر ہم لوگوں سے بڑے اخلاق سے پیش آتا تھا اس کو انگریزوں نے وعدہ دیا کہ اگر تم بہکا سکھلا کر ان میں سے کسی آدمی کو مولوی احمداللہ صاحب کے اوپر گواہ بنا دو تو تم کو رہا کر کے پھر تحصیلدار کر دیں گے۔ چنانچہ اپنی دنیوی بھلائی کی امید پر اس شخص نے اپنی کارروائی شروع کی۔ مگر جب ہمارے کان میں اس کے بہکانے اور گواہ بنانے کی خبر پہنچ جاتی تھی تو ہم اپنے ساتھیوں کو یہ کہہ کر کہ بھائیو ہماری دنیا تو خراب ہو گئی ہے اب فقط دین باقی رہ گیا ہے جھوٹے گواہ بن کر اس کو نہ بگاڑو۔ کہیں تمہاری وہ مثل نہ ہو جاوے "دونوں طرف سے گئے پانڈے ادھر حلوا نہ اُدھر مانڈے"۔ جس قدر وہ ان پھر وہ گواہ بنانے کی ترغیب دیتا تھا اس کا اثر ہماری تھوڑی دیر کی نصیحت سے پھر رفع ہو جاتا تھا۔ اس مخبر نے صاحب لوگوں سے کہا کہ جب تک محمد جعفر اور مولوی یحییٰ علی صاحب اس جیل میں ہیں تب تک کوئی گواہ نہیں بن سکتا۔ اس واسطے ۲۴ فروری سنہ ۶۵ء کو مجھ کو اور مولوی صاحب اور میاں عبدالغفار کو سنٹرل جیل لاہور کو روانہ کر دیا اور محمد شفیع و عبدالکریم و الٰہی بخش و منشی عبدالغفور وغیرہ کو جیل انبالہ میں رکھ لیا پس ہمارا اس جیل سے روانہ ہونا تھا کہ محمد شفیع و عبدالکریم وغیرہ گواہ سرکاری ہو گئے اور

اُن کی شہادت پر اولیاء وقت شمس الاسلام مولوی احمد اللہ صاحب بماہ مئی ۱۸۶۵ء دائم الحبس بعبور دریائے شور معہ ضبطی جائداد کے سزایاب ہو کر ہم سے پہلے جون کے مہینے میں داخل انڈمان ہو گئے۔ بملاحظہ مثل مقدمہ اور دلائل ثبوت جرم نسبت محمد شفیع واضح ہو گا کہ اول محمد شفیع کو کس غیظ اور غصہ سے پھانسی کا حکم دے کر اس کی پچاس لاکھ کی جائداد ضبط کی تھی اور پھر صرف ایک برس بعد گواہی کا حیلہ کر کے اس کو رہا کر دیا تاکہ جائداد منضبطہ واپس نہ دینی پڑے اگر وہ بے چارہ جیسے اُس کی ایک برس بعد کی رہائی سے ظاہر ہے بے قصور تھا تو پہلے اس شدومد سے اس کی پچاس لاکھ کی جائداد ضبط کر کے اُس کو پھانسی کا حکم کیوں دیا تھا اور اگر درحقیقت وہ بھاری قصوروار تھا اور صاحب سشن جج کی سب دلائل مندرجہ فیصلہ صحیح ہیں تو اس کو ایک برس بعد کس واسطے رہائی کر دی۔ اس کے بعد ۱۸۷۱ء تک جو جو مقدمات گرفتاری وہابیاں مثل مقدمہ امیر خاں صاحب سوداگر چرم و مولوی تبارک علی صاحب و مولوی امیر الدین صاحب ساکن پٹنہ ملک بنگال و ابراہیم منڈل ساکن اسلام پور ہوتے رہے تو یہی معمولی گواہ یا گویندہ جھوٹی گواہی دینے کو بلائے جاتے تھے اور میں نے خود ان میں سے ایک گواہ کی زبانی سنا ہے کہ جب کبھی خلاف گواہی دینے سے ہم نے انکار بھی کیا تو ہم کو یہ کہا گیا کہ تم لوگ مشروطہ طور پر فقط اسی گواہی دینے کے واسطے بطور گویندہ رہا کیے گئے ہو۔ اگر تم گواہی نہ دو گے تو پھر تم کو دائم الحبس کر کے پہلے وارنٹ پر کالے پانی کو بھیج دیا جائے گا جب میں انبالہ جیل سے لاہور جانے کو تیار ہوا تو میری بیوی بچے بھی میری ملاقات کو

بیل پہ آئے تھے جس دن میری ملاقات ان لوگوں سے ہوئی ماہِ رمضان تھا اور میں روزے سے تھا جیل کے باہر ایک کوٹھڑی میں بہت دیر تک میری اُن کی بات چیت رہی۔ میرا گیروا لباس اور کمبل کا کرتہ اور پاؤں میں بیڑی دیکھ کر میرے اقربا بہت متعجب اور غمگین ہوئے مگر میں نے اُن کی بہت تسلی کی اور ایمان اور صبر کا مضمون اُن کو سمجھایا۔ اسی دن کوئی سوا برس کے بعد میں نے اپنے بیٹے محمد صادق کو بھی دیکھا تھا وہ ایسا بڑھ گیا تھا کہ میں نے مشکل سے اُس کو پہچانا تھا۔ یہ گویا اس سے میری آخری ملاقات تھی پھر دوبارہ میں نے اُس کو اس دنیا میں نہیں دیکھا۔

باب (۱۲)

سفرِ لاہور

۲۲ر فروری ۱۸۶۵ئہ کو ہم جیل لاہور کو روانہ ہوئے۔ جو گیا نہ گیروا لباس کالا کمبل اوڑھے ہوئے۔ بیڑی ہتھکڑی کے زیور سے آراستہ پیراستہ ہم منزل درمنزل اور کوچ درکوچ لاہور کو چلے جاتے تھے دو ایک گاڑیاں بھی ہمارے ساتھ تھیں بقدر تیس چالیس قیدیوں کے ہم جیل انبالہ سے روانہ ہوئے تھے۔ سب پاپیادہ چلتے تھے جب کوئی تھک جاتا تو اُس کو گاڑی پر بھی سوار کر لیتے تھے ورنہ سب کے سب پاپیادہ تھلخال کو چھن چھناتے چلے جاتے تھے۔ خیر سوا برس کے بعد جو ہم نے باہر کی ہوا کھائی تو طبیعت نہایت

خوش اور راستے میں جو چاہتے سو خرید کر کھاتے۔ اور مولوی یحییٰ علی صاحب کی ہر دم مصاحبت میں رہے۔ اس سبب سے ہم کو تو اس سفر میں بھی دلی عید اور رات شب برات ہوگئی تھی۔ اتفاق حسنہ سے جس دن ہم نیا گیروا لباس پہن کر اول منزل سے روانہ ہوتے۔ تو مہاراجہ مہندر سنگھ صاحب والی پٹیالہ کی برات بڑی دھوم دھام سے اسی راہ سے عین ہمارے آگے کو جنوب سے شمال کو جاتی تھی۔ اس وقت سورج نکلتا تھا۔ فجر کا سہانا وقت اور اخیر فروری کے گلابی جاڑے تھے۔ ایک طرف سورج کی کرنوں میں برات کے سونا چاندی اور تاس بادلہ اور ہیرہ مرصع کی چمک دوسری طرف ہماری بیڑی ہتھکڑی کے لوہے کی دمک، ادھر دوشالوں اور کمخواب و بانات کا رنگ ادھر ہمارے جوگیانہ لباس اور کمبلوں کی سرخی اور سیاہی کا ڈھنگ، ادھر ہاتھی گھوڑوں کی ہنکار ادھر ہماری بیڑیوں اور ہتھکڑیوں کی چھنکار ایک دوسرے کے مقابل اس دنیائے فانی کی دولت اور کمی بیشی مدارج کا فرق عجیب خوبی سے دکھلا رہی تھی، مگر افسوس کہ یہ راجہ غالباً جس نے ہم کو اس وقت بڑی چشم حقارت سے دیکھا ہوگا ہم سے بہت برس پہلے راہی ملک بقا ہوا جہاں امیر فقیر دونوں خالی ہاتھ جیسے آئے تھے ویسے ہی حاضر ہوتے ہیں۔ اور اس نے اس عروس دنیا سے جس کے واسطے اس قدر دھوم دھام تھی بہت ہی تھوڑا فائدہ اٹھایا ہم جو ایک مدت دراز کے بعد جیل کی تنگ تاریک کوٹھڑیوں سے باہر میدان میں پہنچے تو ہم کو بھی مہاراجہ پٹیالہ کے براتیوں کی خوشی سے کم خوشی

نہ تھی۔ ہم ہرنوں کی طرح اُڑے جاتے تھے جن جن قیدیوں کے پاس کچھ نقد تھا اُن کا جو کچھ جی چاہتا تھا راہ میں خرید کر کھاتے اور خوشی مناتے چلے جاتے تھے۔ لدھیانہ، پھلور، جالندھر، امرتسر ہوتے ہوتے لاہور پہنچے۔ اخیر منزل پر لاہور میں شالامار باغ کے سامنے ہر کسی نے اپنا اپنا من بھر کر جو چاہا سو کھایا۔ کیونکہ جیل میں جاکر تو سوائے معمولی کھانے کے اور چیزیں ملنی محال بلکہ جرم ہیں۔ قریب تین بجے شام کے ہم لوگ سنٹرل جیل لاہور کے دروازہ پر پہنچے اور ہمارے چالان کے کل قیدی ایک قطار کر کے دروازہ جیل پر بٹھلا دیئے گئے۔ اول ایک کشمیری ہندو داروغہ آیا اس نے پہلے ہمارے مقدمہ والوں کو بغور تمام دیکھا اور کسی قدر افسوس بھی کیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر گرے صاحب سپرنٹنڈنٹ جیل رونق افروز ہوتے۔ انہوں نے سب سے اول ہم لوگوں کا ملاحظہ کیا اور بڑے غصہ سے حکم دیا کہ ایک ایک آٹا ڈنڈا ابھی ان لوگوں کے پاؤں میں ڈال دو۔ چنانچہ بمجرد صدور اس حکم کے لوہار ڈنڈے آہنی لے کر حاضر ہو گئے اور ہمارے دونوں پاؤں کے دونوں کڑوں کے درمیان سے ایک ایک آٹا ڈنڈا جو ایک فٹ (۵ گرہ) سے زیادہ لمبا نہ تھا ڈال دیا گیا۔ یہ حکم از راہ تعصب فقط ہم ہی لوگوں کے واسطے تھا اور تمام جیل بھر میں ہم نے کسی اور قیدی کے پاؤں میں یہ ڈنڈا نہیں دیکھا۔ چلنا پھرنا اُٹھنا بیٹھنا نہایت مشکل ہو گیا اور رات کو پاؤں پسار کر سونا بھی محال تھا۔

باب (۱۳)

سنٹرل جیل لاہور

اِس جیل کے بیچ میں ایک بُرج اور اُس کے چوگرد آٹھ علیٰحدہ علیٰحدہ بارکیں مع صحن اور کارخانہ مشقت کے بنے ہوئے تھے۔ صاحب سپرنٹنڈنٹ نے حکم دیا کہ اس مقدمہ کے جتنے قیدی ہیں ہر ایک کو علیٰحدہ علیٰحدہ بارکوں یا نمبروں میں رکھو تاکہ ایک دوسرے سے ملنے نہ پاتے۔ اس دن ہم کو اپنے دوستوں سے جُدا ہونا اُس آہنی ڈنڈے سے بھی بڑھ کر شاق ہوا۔ مجھ کو نمبر اول میں جو سب سے زیادہ سخت تھا بے گئے لیکن قریب ۶ بجے شام کے تائید غیبی سے یہ حکم پہنچا کہ یہ قیدی آمدہ جیل انبالہ میں بیماری والے جیل سے آئے ہیں ان کو دوسرے سب قیدیوں سے علیٰحدہ رکھنا چاہیئے تاکہ اُن کی بیماری اس جیل میں بھی نہ پھیل جاوے سو وہی پہلا نمبر جہاں میں بند تھا اُن کے علیٰحدہ رکھنے کے واسطے تجویز ہو کر ہمارے کل ساتھی بلکہ سارا چالان اُسی بارک میں جمع ہو گیا۔ تب ہم آپس میں مل کر بہت خوش ہوئے اور اس حکمتِ الٰہی اور اسرارِ مکنون پر سجدہ شکر بجا لائے بوجہ ہوتے ایک مسلمان جمعدار اس نمبر کے ہم کو کچھ مشقت بھی نہ کرنی پڑی بلکہ بفضل الٰہی ایک ہفتے کے بعد اس سپرنٹنڈنٹ نے خود مجھ کو اُسی نمبر کا منشی کر دیا۔ مگر وہ ڈنڈا جو غالباً کسی بڑے حاکم کے حکم سے تھا بدستور

زیب پارہا جس کے سبب سے جب ہر فجر کو صاحب سپرنٹنڈنٹ وہاں تشریف لاتے تو مجھ کو ہر قیدی کی مشقت کا حساب دکھلانے کے واسطے مثل ہرن کے اُچھل اُچھل کر ان کے ساتھ رہنا پڑتا تھا۔ ایک اتوار کے دن اسی جیل لاہور میں اپنے بستره پر میں بیرک میں بیٹھا ہوا تھا کہ ناگہاں صاحب سپرنٹنڈنٹ ہمارے نمبر میں پہنچے اور کل قیدیاں نمبر کی تلاشی کرنے کا حکم جاری کیا۔ یکے بعد دیگرے میرے بستره کی بھی تلاشی ہوئی جس میں کچھ تھوڑا پسا ہوا نمک میرے بستره سے بھی برآمد ہوگیا۔ ایسے قصور پر وہاں بیت کی سزا ہوتی ہے۔ جب یہ نمک برآمد سپرنٹنڈنٹ کے سامنے پیش ہوا تو میں حیران تھا کہ کیا جواب دوں اس میں مندل نام ایک مسلمان قیدی جو جیل انبالہ سے میرے ساتھ آیا تھا اور میری خدمت کرتا تھا بول اُٹھا کہ یہ بستره اور نمک تو میرا ہے مولوی صاحب کا نہیں ہے۔ تب صاحب سپرنٹنڈنٹ نے پوچھا یہ کیسے تو اُس نے کہا کہ حضور کے تشریف لانے سے پہلے میں اور یہ مولوی صاحب دونوں پیشاب کرنے کو پاخانہ میں گئے تھے اس بیچ میں حضور آگئے ہم جلدی سے جو دوڑ کر آئے اُس گھبراہٹ میں یہ میرے بستره پر اور میں ان کے بستره پر بیٹھ گئے۔ صاحب سپرنٹنڈنٹ اس بیان کو سن کر بہت ہنسا اور بولا کہ تم مولوی کو بچانا چاہتے ہو۔ اس کے بعد ہم دونوں کو نمبر سے باہر جہاں بیت لگا کرتے تھے لے گیا۔ دوسرے قیدیوں کو جن کے بستروں سے کچھ کچھ نکلا تھا بیت لگنے شروع ہوئے جب دوسرے قیدیوں کو بیت لگ چکے تو آخر میں پھر اُس نے ہماری طرف

متوجہ ہوکر صندل مذکور سے پوچھا کہ یہ بات سچ ہے کہ یہ بستره اور نمک تمہارا ہے۔ اور مولوی کا نہیں ہے۔ اُس نے کہا ہاں نمک اور بستره تو میرا ہے آگے آپ کو اختیار ہے۔ یہ جواب سُن کر اُس نے ہم دونوں کو بری کر دیا۔ اور کچھ سزا نہ دی اور صندل سے کہا کہ اچھا تم مولوی کو بچانا چاہتا ہے ہم نے تم کو بھی معاف کر دیا جاؤ آگے ہوشیار رہو۔

باب (۱۴)

روانگی کراچی

اخیر اکتوبر ۱۸۶۵ء میں ایک بڑا بھاری چالان قیدیوں کا تیار ہوکر ملتان کو روانہ کرنے کا بندوبست ہوا۔ ایک ایک ہتھکڑی دو دو آدمیوں کے ہاتھوں میں لگائی گئی۔ میرے ساتھی نے مجھ سے یہ رعایت کی کہ میرا بایاں اور اپنا داہنا ہاتھ ہتھکڑی میں ڈلوایا۔ ہمارے مقدمہ کے فقط تین آدمی یعنی میں اور مولوی یحیٰی علی صاحب اور میاں عبدالغفار صاحب ملتان کو روانہ ہوئے۔ جس دن ہم لاہور سے روانہ ہوتے ریل کے اسٹیشن تک پاؤں میں بیڑی سر پر بستره جس کو ایک ہاتھ سے تھامے ہوتے اور دوسرے ہاتھ میں ہتھکڑی کی گلوٹ اس پر سپاہیوں کی مار مار کہ جلدی چلو جلدی چلو ریل چلی جاوے گی۔ تیر بہرصورت ہم ریل تک پہنچے وہاں جاکر ریل کی کوٹھڑیوں میں ہم کو بند کرکے قفل لگا دیا اور لاہور سے ملتان تک راہ میں کہیں

نہ کھولا مثل جانوروں یا مال کے گاڑیوں میں بھر دیا تھا۔ کوئی آٹھ بجے رات کے
بعد ہم ملتان پہنچے وہاں بھی اندھیری رات میں سر پر بستر رکھے ہوئے کشاں کشاں
اسٹیشن سے جیل تک پہنچے جہاں بے آب و دانہ مثل جانوروں کے رات کو
بند کر دیے گئے۔ دو دن ہم جیل ملتان میں رہے شہر کدھر بستا ہے، بازار
کہاں ہے۔ وہ ہم نے آنکھ سے نہیں دیکھا۔ دو روز بعد وہاں سے لے جاکر
ایک تین یا گھاٹ دریائے سندھ پر جو ملتان سے قریب پانچ کوس ہے
ہم کو اگنبوٹ پر سوار کرایا۔ سوار کرانے کے بعد ہم سب کو قطار قطار کر کے
اس پر بٹھلا دیا۔ اور سوائے بیڑی اور ہتھکڑی اور ڈنڈے کے جو پہلے سے
زیب تن تھے یہاں ایک بڑی موٹی زنجیر آہنی بھی ہماری بیڑیوں کے بیچ میں
پھنسائی گئی کہ جس سے اپنی اپنی جگھوں پر بیٹھے ہوئے پاخانہ پیشاب کرتے
رہے اس وقت قریب آدھا آدھا من کے لوہا ہمارے جسم پر تھا باوجود
اس قدر کثرت پانی کے دریائے سندھ ہمارے زیر پا تھا ہم پڑے
پڑے تیمم سے نماز پڑھتے تھے گو ہم جکڑے ہوئے پڑے تھے۔
مگر جیل سے نکل کر اور دوستوں کی مصاحبت اور آب دریا کی روانی اور آس
پاس کے جنگلوں کی سبزی کو دیکھ کر بہت بشاش تھے۔ اس کیفیت سے
ہم پانچ چھ روز بعد کوٹلی میں پہنچ گئے۔ سکھر بکھر اور ٹھٹھے کا نامی قلعہ بھی ہم
کو راہ میں سندھ کے کنارے پر ملا تھا۔ کوٹلی کے سامنے دوسرے
کنارہ دریائے سندھ پر حیدرآباد سندھ کی نامی بستی بھی دیکھنے میں
آئی۔ کوٹلی سے اسی دن ریل پر سوار ہو کر ہم کراچی میں پہنچ گئے۔ اس ملک میں

بڑی بڑی اونچی ٹوپیاں منشی اور کلارک اور بڑی بڑی پگڑیاں ہندو مہاجن پہنتے ہیں جب ہم جیل انبالہ سے روانہ ہوتے تو ہمارا خیال تھا کہ انگریزی عملداری میں سب جگہ اُردو یا فارسی کا دفتر ہوگا اور ہم بوجہ کمال اپنی منشی گری کے ہر جگہ محرری کے کام میں رہ کر قید میں آرام سے رہیں گے۔ اس خیال باطل کے ساتھ فضل الٰہی کا ہم کو وہم بھی دل میں نہ گذرا تھا مگر بخلاف ہمارے خیال کے اُردو اور فارسی کا دفتر ملتان میں ختم ہوگیا تھا۔ ملک سندھ میں سب سندھی زبان کا دفتر دیکھا گیا۔ سندھی علم کے حروف تو فارسی کے ہیں مگر زبان سندھی ہونے کے سبب ہم کو ایک لفظ بھی سمجھنا دشوار ہے۔ ملک سندھ سے ہم ناخواندوں میں شمار ہونے لگے اور وہ غرور منشی گری اور بھروسہ غیر اللہ خود بخود دل سے دور ہوگیا۔ الحمد للہ کہ کراچی کے جیل میں پہنچنے کے ساتھ ہی ہماری ہتھکڑی اور آٹے ڈنڈے سے تو نجات ہوئی فقط بیڑی آہنی زیب تن رہی، بمقابلہ سب دوسرے جیل خانوں کے جہاں جہاں یہ خاکسار رہا کراچی کے جیل کو جیل کیا ایک عمدہ مہمان سرا کہنا چاہیے، وہاں رات کو قیدیوں کو بارک یا کوٹھڑیوں میں مثل جانوروں کے بند نہیں کرتے بنگلوں کی طرح سے کھلے ہوئے مکان اور چٹائیوں کا فرش بچھا ہوا قیدیوں کے واسطے موجود ہے۔ رات کو جہاں چاہو پھرو جہاں چاہو سو کوئی مانع نہیں۔ پہرے والے فقط جیل کی فصیل پر پھرتے ہیں۔ رات کو جیل کے اندر محافظ یا پہرہ دار کا نام نہیں۔ دو برس کے بعد یہاں رات کو آسمان اور ستاروں کی زیارت

بھی ہم کو نصیب ہوئی۔ جناب باری میں سبحانت شکر بجا لائے۔ یہاں قیدیوں کا کھانا بھی بہ نسبت اور جیل خانوں کے نہایت عمدہ تھا۔ گیہوں کی روٹیاں گھی سے چپڑی ہوئی اور عمدہ ترکاری اور گوشت غرض دو وقتہ پیٹ بھر کھانا یہاں قیدیوں کو ملتا ہے۔ مگر پاخانہ پھرنے کی بڑی دقت تھی۔ کیونکہ چوبی پیپوں کو میدان میں رکھوا دیا ہے جس کے اوپر بدشواری چڑھ کر برہنہ سب کے سامنے قیدی پاخانہ پھرتے ہیں۔

باب (۱۵)

بمبئی

ایک ہفتہ کراچی میں ٹھہر کر ایک بادبانی جہاز جس کو بگلہ کہتے ہیں ہم سوار ہوتے۔ سب سے پہلے سمندر اور جہازوں کی زیارت ہم نے کراچی میں کی۔ یہ جہاز بہت چھوٹا تھا۔ مگر قیدیوں کو مثل بورہ مال کے نیچے کی تہ میں اوپر نیچے کر کے بھر دیا تھا۔ قیدی گچ مچ ایک دوسرے کے اوپر نیچے پڑے تھے اور یہ بیت پڑھتے تھے۔ ؎

جائے تنگ است مرداں بسیار
وقنا ربنا عذاب النار

جب لنگر اُٹھا کر تھوڑی دور سمندر میں جہاز پہنچا تو دریا کے تلاطم اور امواج سے جہاز ہلنے لگا اور قیدیوں کو قے متلی شروع ہوئی یتنگی

جگہ کے سبب سے ایک دوسرے پر تقے کرتا جاتا تھا۔ اِس جہاز پر کچھ مسلمان خلاصی تھے جنھوں نے ہم کو مولوی سمجھ کر حتی المقدور خود کھانے پینے سے بہت تواضع کی۔ خیر دو تین روز کے بعد بمشکل تمام ہم داخل بندر بمبئی کے ہوئے۔ وہاں دیکھا تو کوسوں تک ہزاروں جہاز کھڑے تھے اُس کو ایک جہازوں کا جنگل کہنا چاہیے۔ زیر قلعہ بمبئی کے ڈونگیوں میں بٹھلا کر ہم کو جہاز سے اُتارا وہاں سے بذریعہ سواری ریل جیل خانہ تھانہ کو جو بمبئی سے دس بارہ میل ہے ہم کو لے گئے۔ بمبئی میں پارسی مرد عورتوں کو ہم نے پھرتے ہوئے دیکھا۔ اس قوم کے لوگ بہت خوبصورت گورے رنگ کے ہوتے ہیں اور مالدار بھی ہیں۔ یہ لوگ آتش پرست زردشت کی اُمت سے ہیں۔ خلیفہ دوم کی چڑھائی کے وقت ایران سے بھاگ کر اس حصہ ہندوستان میں آباد ہو گئے۔ بمبئی کی عمارات جہاں تک ہم کو دیکھنے کا موقع ملا نہایت اونچی اور دیواروں میں بے شمار کھڑکیاں بنی ہوئی تھیں، بمبئی شہر بھی ایک ٹاپو ہے ایک بند باندھ کر اس کو برِّ اعظم ہند سے ملا دیا ہے۔ بمبئی اور تھانہ کے بیچ میں بھی سمندر بہتا ہے اور اس کے پانی کو کھیت اور کیاروں میں روک دیتے ہیں دھوپ کی تپش سے وہ کھارا پانی خشک ہو کر عمدہ نمک خود بخود تیار ہو جاتا ہے۔ ہزاروں من نمک کے انبار ریلوے سڑک کے کنارے کنارے لگے ہوئے تھے۔ ناریل کے درخت اور اس کا تازہ پھل بھی ہم نے پہلے پہل بمبئی میں دیکھا۔ یہاں کی عورتیں اپنی ساڑھی کو مثل مردوں کے

دھوتی کے طور پر پیچھے کی طرف ٹانک لیتی ہیں۔ گھٹنے کے اوپر تک اور
آدھی پنڈلیاں کھلی رہتی ہیں۔ یہاں کے ہندوؤں کی پگڑیاں بھی بڑی بڑی
لمبی سر پہ توڑ کر اسا رکھا رہتا ہے۔ اس ملک کی زبان گجراتی یا مرہٹی ہے
جب ہم ریل سے اُتر کر تھانہ کے بازار میں جیل کی طرف پا پیادہ چلے جاتے
تھے تو ہمارے ساتھی قیدیوں نے چند مٹھائی والوں کی دکانوں کو لوٹ لیا
اور بے محابا اُس مال مغروقہ کو کھانے لگے۔ بے چارے دکاندار اُن کو
قیدی سمجھ کر چپ ہو رہے بلکہ ہم نے دیکھا کہ بعض دکاندار اپنی مٹھائی
لٹوا کر بہت خوش ہوئے اور قیدیوں کے منہ میں پڑنے کو بڑا پن سمجھے۔

باب (١٦)

تھانہ جیل

چلتے چلتے قریب شام کے ہم تھانہ جیل کے دروازہ پر پہنچے۔ جیل
کیا ایک مرہٹوں کے وقت کا بنا مستحکم اور مضبوط قلعہ ہے جس کے
چاروں طرف ایک بڑی گہری پختہ خندق بنی ہے۔ جیل کے اندر داخل
ہونے کے ساتھ ہی ہماری تلاشی شروع ہوئی اور ہم سب کی جوتیاں
اُتروا لی گئیں۔ اور پھر چلتے وقت واپس نہ ملیں۔ سنتا ہے کہ ایک دفعہ
کسی ولی عہدے قیدی نے داروغہ جیل کو جوتیوں سے مارا تھا اس وقت
سے یہ قانون یہاں ہو گیا کہ قیدی جیل میں جوتہ نہ پہنے اور ننگے پاؤں

پھراکیے تاکہ دوبارہ ایسی نامعقول حرکت نہ کرے - رات کو دو دو جوا کی روٹیاں اور تھوہر کی دال دے کر علیحدہ علیحدہ کوٹھڑیوں میں ہم کو بند کر دیا۔ مگر بتائید الٰہی دوسرے دن سے پنجابی قیدیوں کو گندم خور ملک کے آدمی سمجھ کر گیہوں کی روٹیاں ملنے لگیں۔ اور ہمارے بعد سے یہ خصوصیت کل چالان آمدہ پنجاب کے واسطے ہمیشہ کے لیے مقرر ہوگئی۔ فجر کو ہمارے سب چالان کو پتھر توڑنے کی مشقت دی گئی۔ جس کو بمشکل تمام ایک دو دن کیا۔ دو روز بعد ہمارے پہنچنے سے وہاں دری بافی کا کام شروع ہوگیا۔ اور ہمارے چالان کے پنجابی قیدی اس کے مہتمم مقرر ہوئے۔ مگر انھوں نے مجھ کو اور مولوی یحییٰ علی صاحب کو دری بافوں کا استاد بیان کر کے اپنے ساتھ لے لیا۔ جہاں ہمارا ایک مہینہ بڑے آرام کے ساتھ طے ہوا - اس جیل اور ملک میں مرہٹی زبان کا دفتر ہے۔ فارسی اور اردو داں یہاں بھی ناخواندوں میں شمار ہوتے ہیں -اب کراچی اور تھانہ کے دفتروں کا یہ حال دیکھ کر ہم کو تو یقین ہوگیا تھا کہ اب ہم باقی عمر ناخواندوں میں ہمشمار ہوں گے اور قلم پکڑنے کی نوبت شاید ہی آئے۔ وہ امید جو ہم کو فن منشی گری سے تھی قطع ہوگئی اب فقط فضل الٰہی کی امید باقی رہ گئی۔ اس جیل کا بڑا جیلر یا داروغہ تو ایک برہمن بڑا بدمغز آدمی تھا۔ مگر ابراہیم نام ایک مسلمان نائب داروغہ حتے المقدور خود ہماری بہت خاطرداری کرتا تھا۔ اب ایک مہینہ رہنے کے بعد یہاں سے بھی ہمارے چلنے کی تیاری ہوئی۔ اس مسلمان نائب داروغہ نے چلتے وقت ہماری بھاری بیڑیاں

نکلوا کر برائے نام ہلکی ہلکی بیڑیاں ڈلوا دی تھیں۔ ہند کے جیل خانوں میں دیسیوں کو خصوصاً شریفوں کو بڑی مشکل ہے۔ نہ کھانے کپڑے کا بندوبست ہے نہ پاخانے کا۔ رات کو ہر موسم میں بارکوں میں مثل جانوروں کے بند کر دیتے ہیں۔ بدمعاشوں کو البتہ آرام ہے۔ ہمارے دیسیوں کے مدارج کا کچھ لحاظ نہیں۔ کالے کالے سب ایک سمجھ کر راجہ۔ نواب۔ مہتر۔ چمار سب کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتے ہیں۔ مگر کوٹ پتلون والوں کی ہاں بھی عزت ہے۔ یوروپین و دوغلے دونوں مثل صاحب لوگوں کے وہاں بھی چین کرتے ہیں۔

باب (۱۷)

کالا پانی کو روانگی

واقعہ ۸ ر دسمبر ۱۸۶۶ء؁ کو سواری جہاز جمنا ہم بمبئی سے کالے پانی کو روانہ ہوئے۔ یہ جہاز ولایت انگلینڈ کا تھا۔ اس کے کل خلاصی اور افسر گورے تھے۔ ہندوستانی بات کوئی نہ جانتا تھا۔ موتی لال بابو ایک انگریزی دان قیدی اس جہاز پر ہمارے ساتھ تھا۔ اس کی معرفت سے جہاز والوں سے ہم کچھ بات چیت کیا کرتے تھے۔ مجھ کو تو اس وقت ایک انگریزی بات بھی معلوم نہ تھی جہاز پر دال بھات اور سوکھی مچھلی مسلمانوں کی خوراک تھی اور ہندؤں کو چینا ملتا تھا۔ ہمارے ساتھی پنجابیوں کو جو روٹی

کھانے کے عادی تھے ۔ مہینہ بھر دو وقتہ چاول کھانے سے بڑی تکلیف ہوئی جب جہاز سمندر میں پہنچا تو طوفان اور تلاطم سے ہلتا تھا ۔ اکثر آدمی قے متلی سے بیمار ہو گئے ۔ ایک پنجابی قیدی میعادی ہفت سالہ حبس کے صرف پانچ برس اُس وقت باقی رہ گئے تھے بیمار ہو کر جہاز پر مر گیا ہم لوگوں نے موافق قاعدہ شریعت کے اُس کے غسل اور کفن دے کر اور نمازِ جنازہ پڑھ کر اُس کی لاش کے ساتھ بہت سے پتھر باندھ کر سمندر میں چھوڑ دیا ۔ ہمارے محافظ مرین پلٹن کے سپاہی جو بمبئی سے ہمارے ساتھ آئے تھے ہم لوگوں پر بہت مہربانی کیا کرتے تھے ۔ جب سیلون یا لنکا کے برابر ہمارا جہاز پہنچا تو سمندر میں تلاطم معلوم ہوا ۔ وہ ہزاروں من کا جہاز مثل گیند کے پانی پر اچھلتا تھا کبھی سمندر کا پانی پہاڑ کی طرح ایک طرف سے آتا اور کبھی جہاز تیزوں نیچے پانی میں چلا جاتا ۔ ۳۴ روز کے سفر دریائی کے بعد ۱۱ جنوری ۱۸۶۶ء کو ہمارا جہاز قبل از دوپہر پورٹ بلیر انڈمان میں پہنچا ۔ انبالہ سے چل کر گیارہ مہینے کے بعد داخل انڈمان ہوئے ۔

باب (۱۸)

انڈمان

دور سے سمندر کے کنارے کے کالے کالے پتھر ایسے معلوم ہوتے تھے کہ گویا بھینسوں کے جھنڈ کے جھنڈ پانی میں پھر رہے ہیں ۔ لنگر ڈالنے

تھوڑی دیر بعد محافظ بندر پورٹ بلیر ایک کشتی میں سوار ہو کر جہاز پر آئے۔ اس کے ایک ہندوستانی ملاح سے میں نے پوچھا کہ یہاں کچھ منشی محرروں کی بھی قدر ہے اور دفتر کس زبان میں ہے۔ وہ شخص قرینہ سے مجھ کو منشی معلوم کر کے میری تسلی کے واسطے مبالغہ کر کے بولا کہ یہاں کے حاکم اور مالک تو منشی ہی ہیں۔ وہ جو چاہیں سو کریں خیر اس ناامیدی پر جو کراچی اور تھانہ میں ہوئی تھی یہ مژدہ سن کر کسی قدر تسلی ہوئی۔ پھر بڑے بڑے بوٹ اور کشتیاں کنارے سے آئیں اور ہم کو سوار کر کے روس نام ٹاپو صدر مقام انڈمان میں لے گئے۔ جب ہم کنارے کے نزدیک پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ بیسیوں منشی اور مولوی سفید اور فاخرہ لباس پہنے ہوئے ہمارے منتظر کھڑے ہیں۔ ابھی ہم کشتی میں سوار تھے کہ ایک آدمی نے کنارہ پر سے باآواز بلند پوچھا کہ محمد جعفر اور مولوی یحییٰ علی صاحب بھی اس جہاز میں آگئے ہیں؟ میں نے جواب دیا ہاں وہ دونوں آئے ہیں۔ میرا جواب سن کر وہ لوگ پانی میں کود پڑے اور ہم لوگوں کو ہاتھوں ہاتھ کشتی سے نیچے اتار لیا۔ نیچے اتر کر ہم کو یہاں معلوم ہوا کہ مولوی احمد اللہ صاحب ہم سے ایک برس بعد پٹنہ میں قید ہو کر ۱۵ جون ۱۸۶۵ء کو ہم سے چھ مہینے پہلے پورٹ بلیر میں پہنچ گئے اور ایک دوسرے جہاز کے قیدیوں سے جو ہم سے اول اسی جیل تھانہ سے چل کر فقط دو روز پہلے ہم سے پہنچے تھے۔ ہماری آمد کا حال معلوم کر کے مولوی صاحب ہمارے منتظر تھے۔ اور یہ سب لوگ انہیں کے اشارہ سے ہمارے لینے کو گھاٹ پر آئے تھے خیر ہم لوگ بوٹ سے اتر کر اسی مجمع کے ساتھ مصافحہ اور معانقہ کرتے ہوئے اپنے حالان کے قیدیوں سے جدا ہو کر منشی خانہ میں [illegible]

محررین ڈیپارٹمنٹ کے مکان پر پہنچے وہاں مولوی احمد اللہ صاحب اور دوسرے اکثر معزز لوگوں سے ہماری ملاقات ہوئی اور اسی مکان میں ہم تینوں آدمی رہنے لگے۔ اُسی وقت ہماری بیڑی کٹوا دی اور عمدہ لباس جو ہمارے واسطے تیار کر رکھا تھا ہم کو پہنایا گیا اور تمام جلسہ کے ساتھ ہم نے دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھایا اور اس تاریخ سے تاریخ رہائی تک ہم نے پھر بارک یا لباس یا کھانا قیدیوں کا کبھی نہیں دیکھا۔ گو اُسی تاریخ سے ہم قید سے رہا ہو گئے گو اٹھارہ برس تک مثل ملزمان کالے پانی میں رہے اُسی شام سے گھر گھر ہماری دعوتیں ہونے لگیں اور وہ وہ نفیس اور عمدہ کھانے ہم کو کھلائے گئے کہ ہند میں مجھ کو تو کبھی ایسے کھانے نصیب بھی نہ ہوتے تھے۔ وہ ہمارا خیال کہ اب ہم کو ساری عمر صرف جیل کا کھانا کھانا پڑے گا۔ اُس قادر مطلق نے اس نعم البدل کے ہمارے دل سے قلع قمع کرا دیا اور اپنی قدرت کو دکھلا دیا جب ہم اس جزیرے میں پہنچے ہزاروں مرد عورت قیدیوں کو دیکھا کہ ماتھا اُن کا کھود کر پیشانی پر اُن کا نام اور جرم اور لفظ دائم الحبس لکھا ہوا ہے۔ کہ وہ نوشت مثل نوشتۂ تقدیر کے تمام عمر نہیں مٹتی۔ مگر بہ تائید الٰہی سنئے کہ ہمارے پہنچنے سے کچھ عرصہ پہلے وہ حکم ماتھا کھودنے کا تمام عملداری سرکار سے ہمیشہ کے واسطے موقوف ہو گیا تھا اس سبب سے اس کے داغ دائم الحبس سے بھی ہم محفوظ رہے۔

حاشیہ: جزیرہ انڈمان خلیج بنگالہ کے مشرق کو ۹۲ درجہ ۴۰ دقیقہ طول شرقی اور ۱۱ درجہ ۴۰ دقیقہ عرض شمالی پر کلکتہ سے قریب چھ سو میل کے واقع ہیں۔ یہ

مجموعۂ جزائر ۱۷ × ۲۴۶ میل کے گھیرے میں جس میں قریب ایک ہزار جزیروں کے شامل ہیں بنام انڈمان مشہور ہے۔ علم طبقات الارض کے محققوں کا یہ قول ہے کہ یہ جزائر کسی زمانہ میں براعظم ایشیا سے ملے ہوئے تھے۔ پھر زمانے کے ہیر پھار اور سمندر کی موجوں سے کٹتے کٹتے اول یہ ٹکڑا براعظم ایشیا سے علیحدہ ہوگیا تھا۔ اور پھر آخر کو ایک دوسرے سے علیحدہ ہوتے ہوتے ہزاروں چھوٹے چھوٹے جزیرے ہوگئے۔ یہاں پانچ روز میں کلکتہ سے اگنبوٹ پہنچتا ہے اور تین روز میں رنگون سے مولمین یہاں سے تین سو میل مشرق و شمال اور سنگاپور چار سو میل گوشہ مشرق و جنوب میں اور بنکانگ تین سو پچاس میل مشرق میں اور نکوبار یا ننکوڑی اسی میل جنوب میں اور مدراس آٹھ سو میل مغرب اور لنکا آٹھ سو میل گوشہ مغرب و جنوب میں واقع ہیں یہ جزائر سب پہاڑ ہیں ہموار زمین بہت کم ہے۔ یہاں سب سے اونچا پہاڑ مونٹ ہریٹ کا ہے جو سطح سمندر سے ۱۱۶ فٹ اونچا ہے میٹھے پانی [illegible] ندی نالہ یہاں جاری نہیں ہے برسات کے موسم میں بعض اونچے ٹیکروں اور ٹیلوں سے پانی کے جھرنے بہا کرتے ہیں۔ لیکن ایام خشکی میں بند ہوجاتے ہیں۔ کوئیں اور ڈگیاں یہاں بکثرت ہیں۔ یہاں کے جزائر میں پورٹ بیئر کے اندر کو ایک گندہک کا پہاڑ ہے اُس سے ہر وقت آگ کے شعلے نکلا کرتے ہیں۔ یہاں کے جنگل میں سوائے سور کے اور کوئی چوپایہ درندہ یا چرندہ نہیں ہے۔ لعاب ابابیل یہاں کا ایک عمدہ تحفہ ہے۔ قوت باہ کے واسطے ماہی سقنقور سے بڑھ کر سمجھا جاتا ہے اور بہت گراں مثل نقرہ اور طلا کے بکتا ہے۔ یہاں کے جنگلوں میں ہزار اعلیٰ قسم کی عمدہ اور پائدار لکڑیاں موجود ہیں مگر ہمارے ملک کی لکڑیاں

موجود ہیں۔ مگر ہمارے ملک کی لکڑیوں سے سراسر غیر ہیں۔ بید بھی یہاں کے جنگل میں کئی قسم کا ہے اور اس کی کیٹریاں بطور تحفہ کے ملک ملک کو جاتی ہیں عقیق البحر کی چھڑیاں مثل کالی ناگنی کے اور سنکھ اور ہزار قسم اور رنگ برنگ کی کوڑیاں اور طرح طرح کی سیپیاں یہاں کے سمندر سے نکلتی ہیں اور ملکوں کو بطور تحفہ کے جاتی ہیں۔ آم۔ املی۔ جامن کٹھل۔ بڑھل۔ جائیپل ناریل اور پان وغیرہ کے درخت جو گرم ملک کے جنگلوں میں ہوتے ہیں یہاں سب خودرو موجود ہیں۔ اب جنگل کے صاف ہو جانے سے پچاسوں گاؤں بھی یہاں آباد ہو گئے اور ہر قسم کی ترکاری اور گرم ملکوں کے پھل اور دھان اور مکی۔ جوار مونگ و ماش و اوکھ یعنی نیشکر غیر کثرت سے یہاں پیدا ہوتے ہیں۔ مگر گیہوں چنا وغیرہ ربیع اور سرد ملکوں کے اناج یہاں بالکل پیدا نہیں ہوتے لیکن سرکار گیہوں چنا وغیرہ کلکتہ سے لاکر بحساب سات پائی فی پونڈ یعنی سوا آنہ سیر کے فروخت کرتی ہے۔ اس سبب سے اس ملک میں کبھی قحط نہیں پڑتا۔ ہمیشہ ایک ہی نرخ سے غلہ بکتا ہے۔ آب و ہوا اس جزیرے کی تماب ایسی عمدہ اور صحت بخش ہے کہ اس کا ثانی بر روئے زمین پر کوئی مکان نہیں ہے۔ ہیضہ اور چیچک اور وبائی بخار اور آشوب چشم کے متعدی امراض بالکل نہیں ہیں۔ بیس برس ہم نے کبھی ایک بیمار بھی ان بیماریوں کا نہیں سنا۔ نہ یہاں سر اور کپڑوں میں جوئیں پڑتی ہیں اور نہ دوسرے موذی جانور مثل پسو اور مچھر کے ہوتے ہیں۔ خط استوا کے قریب ہونے کے سبب سے ہمیشہ بارہ ماس یہاں دن رات برابر ہوا کرتا ہے بہت ہی تھوڑا فرق پڑتا ہے۔ سردی گرمی یہاں دونوں نہیں ہمیشہ ہمارے ملک کے چیت بیساکھ کی کیفیت رہتی ہے۔ دسمبر جنوری

رات کو ایک چادر اُوڑھنے کی نوبت آتی ہے۔ سرمائی کپڑوں کا یہاں بالکل دستور نہیں نہ کوئی رضائی بناتا ہے۔ نہ دلائی نہ یہاں روئی ہے۔ نہ دھنیا، یہاں نہ کبھی موسم خزاں ہے نہ بہار بارہ مہینے درخت ہرے بھرے رہتے ہیں۔ غالباً یہاں کی موسم بر عایت حال جنگلیوں کے جو ننگے مادر زاد پھرتے ہیں اس حکیم اور علیم نے بنائی ہے۔ اگر سردی یا گرمی ہو تو وہ ننگی مخلوق خدا فوراً ہلاک ہو جائے۔ یہاں کی بارشوں کی بہت کثرت مئی سے نومبر تک آٹھ مہینے برابر رات دن برستا رہتا ہے۔ اسی سبب سے یہاں کے مکانوں کی چھت ڈھلویں ہوتی ہے ہمارے ملک کی کبھی کچی اور چپٹی چھت اس بارش کا ایک دن بھی مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اولے وہاں کبھی نہیں پڑتے نہ کبھی آندھی چلتی ہے۔ جنگل نہایت گنجان اور دشوار گذار ہے۔ درخت اتنے اونچے ہیں کہ گویا آسمان سے باتیں کر رہے ہیں جب کسی درخت کو کاٹ کر گراتے ہیں تو سینکڑوں گز تک اُن کی ڈالیاں اور شاخوں کا اثر پہنچتا ہے۔ یہاں کے سانپ اور بچھو میں زہر نہیں۔ لیکن یہاں کنکھجورے بہت زہریلے ہیں۔ یہاں کے جنگل میں قدیم سے ایک وحشی ننگی مادر زاد قوم رہتی ہے۔ مرد عورت کپڑا کوئی نہیں پہنتے اور نہ کپڑا اُن کو میسر آتا ہے ان جنگلیوں کا صحیح حال اب تک معلوم نہیں ہوا کہ کب اور کس ملک سے آکر یہاں آباد ہوتے اور ہمیشہ سے ایسے ہی وحشی ہیں یا کبھی مہذب بھی تھے۔ یا نہیں یہ جنگلی جیسا کہ مشہور تھا آدم خور نہیں ہیں۔ نہ ان کے بدن پر بال ہیں۔ قریب سو برس کے ہوئے سب سے اول لفٹنٹ بلیر ایک جہاز ہی سردار نے یہاں آکر لنگر ڈالا تھا۔ اسی سبب سے پورٹ بلیر اس جزیرے کا

نام ہوا۔ انہیں ایام میں جس کو سو برس ہوئے سرکار نے پہلے پہل قیدیان حبس بعبور دریائے شور کا رکھنا تجویز کیا تھا۔ مگر ناموافقتی آب و ہوا کے سبب سے ۱۷۹۶ء میں یہ جزیرہ آباد ہو کر پھر اُجڑ گیا تھا سنہ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے بعد سرکار کو پھر اس کی ضرورت ہوئی اور مارچ سنہ ۱۸۵۸ء سے گویا دوبارہ اس کی آبادی شروع ہوئی اور پہلے پہل بغاوت کے قیدی یہاں لاکر رکھے گئے۔

باب (۱۹)

انڈمن کے اصل باشندے

شروع آبادی میں مدت تک جنگلی لوگ سخت مخالف رہے چنانچہ دو مرتبہ انھوں نے ڈاکٹر واکر صاحب سپرنٹنڈنٹ اول کے عہد میں بڑی بھاری جنگلیوں کی فوج جمع کرکے ایک دفعہ ہڈیبر دوسری بار ابرڈین پر حملہ کیا آخر ملائمی اور حکمت عملی سرکار سے وہ فرمانبردار ہوگئے۔ اور اب جنگل یا بستی میں جہاں کہیں وہ ملتے ہیں تو نہایت خاطرداری سے پیش آتے ہیں۔ گو شروع آبادی میں ان وحشیوں نے بہت خون خرابے کیے تھے۔ یہ لوگ چار فٹ سے پانچ فٹ چار انچ تک اونچے مثل حبشیوں کے سیاہ فام۔ گول اسر آنکھیں اُبھری ہوئیں۔ سر پر بھیڑ کے سے بال مگر نہایت مضبوط اور قوی ہوتے ہیں۔ ان کل جزائر انڈمان میں ان کی بارہ ذاتیں ہیں۔ ایک ذات کی زبان دوسری قوم سے بہت کم ملتی ہے۔ یہ جنگلی اس بات کے قائل ہیں کہ خدا آسمان میں رہتا

ہے وہی خالق ہر شے کا ہے اور سب سے بڑا ہے۔ وہ کسی سے پیدا نہیں ہوا
وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اس کا محل بہت عمدہ اور نفیس آسمان
میں ہے۔ اس کو کوئی دیکھ نہیں سکتا۔ اسی کے گھر سے پانی برستا ہے بجلی کا
شعلہ اور کڑک بھی اسی کے پاس سے آتی ہے۔ موت بھی اسے کے حکم سے ہوتی ہے
بھلائی اور روزی بھی وہی دیتا ہے۔ مسماۃ چاناپالک ایک اس کی جورو بھی
ہے۔ اس کی جورو کو بھی فنا نہیں اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوئی۔ مگر اس کا درجہ خدا
سے کم ہے۔ اس کا کام ہے کہ سمندر میں مچھلیاں پیدا کرے وہی مچھلیوں کو آسمان
سے گراتی ہے۔ یہ لوگ شیطان کے بھی قائل ہیں اور سمجھتے ہیں کہ سب بُرے
کام شیطان کراتا ہے۔ مگر وہ کہتے ہیں کہ شیطان دو ہیں ایک زمین کا شیطان
جس کا نام ارم چوگلا ہے۔ جب زمین پر کوئی ناگہانی موت سے مرجاتا ہے تو
یہ سمجھتے ہیں کہ ارم چوگلا نے مار ڈالا ہے۔ ایک سمندر کا شیطان ہے جس کا نام
جورو ونڈا ہے۔ جب کوئی آدمی ڈوب کر مرجاتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس کو جورو ونڈا
نے مار ڈالا ہے۔ یہ لوگ فرشتوں کے بھی قائل ہیں اور سمجھتے ہیں کہ مرد و عورت
دونوں جنس سے ہیں اور جنگل میں رہتے ہیں اور انسانوں کی حفاظت کرتے
ہیں۔ یہ لوگ بھوت پریت کے بھی قائل ہیں مگر کہتے ہیں کہ ان کو کچھ اختیار
نہیں ہے۔ یہ لوگ خدا یا غیر خدا کی کسی چیز کی پوجا نہیں کرتے۔ یہ لوگ طوفان نوح
کے بھی قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ ایک بار زمین پر ایسا طوفان آیا تھا کہ ساری دنیا
ڈوب گئی تھی۔ اور ان جنگلیوں کے بزرگ ایک کشتی بنا کر اس پر سوار ہو گئے تھے
اور ایام طوفان میں بہت دنوں تک اس کشتی پر سوار رہے۔ جب طوفان رفع ہوا

تو وہ کشتی کسی پہاڑ پر منجملہ کوہ ہائے جزائر انڈمان کے ٹھہری تھی۔ یہ لوگ دو سے زیادہ گنتی نہیں جانتے۔ جب کوئی چیز دو سے زیادہ گنتے ہیں، تو انگلیوں پر اشارہ کرتے ہیں یہ لوگ ننگے مادرزاد پھرتے رہتے ہیں فقط عورتیں ایک چھوٹا سا پتا اندام نہانی پر ڈاگرے میں اٹکا کر رکھ لیتی ہیں۔ مرد عورت اپنے بدن کو بوتل وغیرہ کے ٹکڑوں سے گود کر پھوڑوں کا چھتا یا گٹی کا کیڑا سا بنا لیتے ہیں۔ مونچھ ڈاڑھی یا سر کے بال مرد عورت کوئی نہیں رکھتا۔ ان کو بوتل کے ٹکڑوں سے تراش ڈالتے ہیں۔ ان کا بیاہ بھی بہت سیدھے سادے طور پر ہوتا ہے۔ بوقت شادی دولہا دلہن دونوں کے بدن کو گیرو اور چربی سے لال رنگتے ہیں اور ساری قوم اس وقت جمع ہوتی ہے۔ ایک آدمی اس جلسہ میں بطور قاضی کے ہوتا ہے وہی شخص دولہا کو اٹھا کر دلہن کے پاس لے جاتا ہے۔ اور دولہا کے سامنے بہت سے تیر و کمان رکھ دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ان سے شکار کر کے اپنی عورت کی پرورش کرنا اور پھر وہی آدمی با آواز بلند لفظ اَنب اِکن لیعیَ لے جاؤ یہ تمہاری بیوی ہے کہتا ہے۔ اس کہنے کے بعد عقد پکا ہو گیا اور پھر تا حیات دونوں کے نہ طلاق ہے نہ جدائی۔ شادی کے بعد ان میں زنا نہیں ہے۔ لڑکا پیدا ہوتے وقت پردہ کرنے کی ان کے یہاں کچھ ضرورت نہیں ہے مردوں کے سامنے عورتیں بچے جنتی ہیں بعد پیدا ہونے بچے کے ایک عورت پتوں سے مکھیاں ہانکتی ہے اور ایک عورت نال کاٹ کر بچہ کو گود میں لے کر بیٹھتی ہے۔ پہلے دن بچہ کو غیر عورت کا دودھ پلاتے ہیں۔ دوسرے دن بچہ کی ماں پلانے لگ جاتی ہے۔ اور بعد وضع حمل کے

زچہ اُسی دم چلنے پھرنے لگ جاتی ہے۔ ہر شئے جنگل کی کھاتی ہے۔ پرہیز اچھوتی کا نام نہیں۔ جب بچہ تھوڑا سیانا ہوتا ہے تو تیر کمٹھا اس کا پہلا کھیل ہے۔ ان لوگوں کا گھر بھی بہت چھوٹا سا ہوتا ہے۔ صرف چار کھمبے گھڑے کر کے اُس کے اوپر تھوڑی سی پتی ڈال کر ایک چند روزہ آسرا بنا لیتے ہیں۔ ان کے گھر میں اگر جا کر دیکھو تو سوائے میاں بیوی کے اور کچھ جائداد اور ملکیت نہیں۔ تیر و کمان اُن کی اصلی جائداد بلکہ جان ہے۔ چھوٹی چھوٹی ڈونگیاں (کشتی) بھی یہ لوگ بناتے ہیں جن پر سوار ہو کر ایک ٹاپو سے دوسرے ٹاپو کو جاتے ہیں۔ اپنے مُردوں کی کھوپڑیاں یہ لوگ ساتھ لیے پھرتے ہیں۔ جب کوئی مہمان کسی دوسرے ٹاپو سے اِن کے یہاں آتا ہے تو پہلے تھوڑے فاصلہ پر ان کے گھر سے بیٹھتا ہے گھر والے اُس کو وہیں کھانا پہنچاتے ہیں بعد کھانا کھانے کے وہ جس گھر میں چاہتا ہے جاتا ہے۔ پھر سب اُس سے مل کر روتے ہیں۔ یہ لوگ کھیتی باڑی نہیں کرتے اور نہ اناج کھاتے ہیں۔ ان کا کھانا مچھلی اور سمندر کے کیڑے مکوڑے کچھوے وغیرہ ہیں ان کو پکڑ کر اور آگ پر نیم بریاں کر کے بے نمک مرچ کے کھا جاتے ہیں۔ بعض درختوں کی جڑیں اور پھلیاں اور جنگل کے پھل اور پتی اور سؤر کا گوشت اور شہد بھی اُن کی خوراک ہے۔ غوطہ زنی کے یہ لوگ بچپن کے عادی ہوتے ہیں کہ شائد کوئی دوسری غوطہ زن قوم دنیا کی اُن سے سبقت نہ لے جاوے تیر انداز بھی یہ لوگ بلا کے ہیں سب سیدھے تیر مارتے ہیں بہت کم ہے کہ ان کے تیر کا نشانہ غلط لگے۔ ان لوگوں میں کوئی حکیم یا ڈاکٹر نہیں ہے۔

جب کوئی بیمار ہوتا ہے تو وہ خود یا اس کا کوئی عزیز نہایت بے دردی سے اور اناڑی پنے سے بوتل کے ٹکڑوں سے زخم کرکے خون نکال دیتا ہے۔ اور جب کوئی مرجاتا ہے تو ایک ٹوکری میں مردے کو رکھ کر اس کے گھٹنوں کو موڑ کر اس کی چھاتی تک لاکر باندھ دیتے ہیں اور سارے اعضاؤں کو درخت کے چھلکوں سے کستے ہیں اور پھر قبر کھود کر اس میں گاڑ دیتے ہیں اور قبر کے نزدیک آگ جلتی رہتی ہے اور ایک یا دو مہینے کے بعد اس کی قبر کھود کر اس کا ماتم کرکے اس کی ہڈیوں کو اس کے سب عزیز آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں اور پھر ان کو حرز جان کر کے اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ اور کسی لاش کو بجائے گاڑنے کے ایک مچان پر رکھ دیتے ہیں یا کسی درخت کی شاخ پر لٹکا دیتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ مرنے سے آدمی نیست و نابود ہو جاتا ہے دوبارہ زندہ ہونے اور جزا سزا آخرت کے قائل نہیں۔ وہ لوگ ناچتے اور گاتے بھی ہیں۔ مگر کوئی باجہ اس کے پاس نہیں ہے۔ اور نہ سر تال ان کو معلوم ہے۔ ان لوگوں کا کوئی مذہب اور ملت نہیں ہے اور نہ کوئی ان کا مذہبی سردار اور ملا ہے۔ مگر اخلاق اور آدمیت اور دیانت اور راست بازی ان میں ہے۔ پہلے یہ لوگ روپیہ اشرفی اور پیسوں کی کچھ قدر نہیں جانتے تھے۔ جو کوئی ان کو دیتا اس کو لے کر اور دیکھ بھال کر زمین پر پھینک دیتے تھے۔ مگر اب تو بڑے لالچی ہو گئے۔ راہ چلتوں سے پیسہ پیسہ کرکے سوال کرتے ہیں۔ ان جنگلیوں کی عمر بہت کم ہوتی ہے اور ان کی لڑکیاں بھی بہت جلد بالغ ہو کر اور تیس برس تک بڈھی پھوس ہو جاتی ہیں۔ وہ دودھ تاتہ نام ایک

ہندوستانی آدمی نے بہت عرصہ ہوا ایک جنگلی عورت سے شادی بھی کی تھی۔ مگر اس کی رہائی ہو جانے کے سبب سے وہ ہندوستان کو چلا گیا اور بےچاری جنگلن کو وہیں چھوڑ آیا۔

۱۸۵۸ء سے ۱۸۶۵ء تک ان جزائر کی آب و ہوا سم قاتل تھی جس کو زخم ہو گیا وہ تین روز بعد مر گیا اور چوتھے دن مر گیا۔ زخم کیا تھا گویا پیام اجل تھا۔ شروع آبادی میں یہاں اسکروی کی بیماری بھی بڑے زور شور سے تھی۔ یہ ایک جہازی بیماری ہے۔ اس سے مُنہ پک جاتا ہے اور پنڈلیاں سخت پتھر سی ہو جاتی ہیں اور آدمی مر جاتا ہے۔ اِس بیماری سے بھی ہزاروں راہی آخرت ہو گئے۔

(۲۰) باب

انڈمن کی زندگی

الحمد للہ والمنت ہمارے وہاں پہنچنے سے ایک برس پہلے وہاں کے سب امراض رفع ہو کر وہ جزیرہ خوبی آب و ہوا میں رشکِ کشمیر ہو گیا تھا۔ جہاں بیس برس تک ہمارا سر بھی نہ دکھا اور بڑے آرام اور راحت سے ہماری قید بسر ہوئی بوجہ کثرت بیماری اور نئی آبادی کے انگریزوں نے شروع میں یہاں کے قوانین بھی قیدیوں کے واسطے نہایت نرم کر رکھے تھے اور قیدیوں سے ہر طرح کا سلوک کرتے تھے۔ مگر جب وہاں کی آب و ہوا عمدہ ہو گئی۔

اور آبادی بھی بڑھ گئی۔ تب تو وہاں کے ایسے سخت قانون بنائے کہ الاماں۔
ہند کے جیلوں پر بھی سختی بڑھا دی مگر ہم لوگ ایک وسط زمانے میں پہنچے تھے
کہ آب و ہوا عمدہ ہو گئی تھی مگر ابھی قانون میں سختی کی ترمیم نہ ہوئی تھی۔ اس واسطے
از روئے قانون عام جزائر مذکور کے ہم کو ہر طرح کا آرام اور آسائش اور عہدے
اور تنخواہ وغیرہ جاتے ہی مل گئے۔ لیکن ہمارے پہنچنے کے تھوڑے دن بعد
وہاں کے قوانین سخت ہونے لگے۔ آخر کو اب یہاں تک نوبت پہنچی کہ نیا
قیدی یہاں اگر دس برس تک سخت مشقت کرے اور بھنڈارہ سے پختہ
کھانا پاوے اور وردی کا کپڑا پہنے اور بارک میں رہا کرے اور کسی قسم کی مہربانی
اس پر نہ کی جاوے چنانچہ قانون انڈمان مصدرہ ۱۸۷۶ء کا ایک فقرہ بطور
مثال ذیل میں لکھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ سزا حبس بعبور دریائے شور سے سخت
مشقت کا کرنا اور فقط اس قدر کھانا پانا کہ جس سے آدمی زندہ رہے۔ ضرور و
لازم ہو جاتا ہے۔ مگر یہ بھی خیر رہی کہ جس قدر نئے قانون سختی کے آتے رہے
وہ فقط آمد جدید قیدیوں پر مؤثر ہوتے تھے۔ ہم پرانے قیدی ہمیشہ ان سے
مستثنیٰ ہو جاتے تھے۔ میں نے وہاں جا کر دیکھا کہ اس غدر ۵۷ء کی بدولت
بیسیوں راجے اور نواب اور زمیندار و مولوی مفتی و ڈپٹی کلکٹر و منصف و صدر
امین و صدر الصدور و رسالدار و صوبہ دار و جمعدار وغیرہ وہاں قیدی ہیں۔ مگر وہ معزز
ہندوستانی جنٹلمین بھی جن کے آگے سینکڑوں ہزاروں نوکر تھے بوجہ سیاہ
پوست اور جنم ہند کے دوسرے چوہڑے چماروں کی طرح موٹا جھوٹا کھاتے
پاتے اور عام لوگوں کے ساتھ سخت مشقت کرتے تھے۔ مگر حضرت یورپین

گورے بلکہ اکثر دوغلے کالے کلوٹے بھی فقط بوجہ شرف کوٹ پتلون یا کلمۂ عیسائی کے پلٹن کے گوروں کے برابر کھانا کپڑا پاتے تھے۔ ایک علیحدہ بنگلیا اُن کے رہنے کو ایک نوکر بلا تنخواہ خدمت کو اور جس گورے یا دوغلے کو لائسنس مل گیا تو اُن کو پچاس روپیہ ماہوار تک نقد تنخواہ بھی ملتی ہے یہ تو سب کچھ تھا مگر سنہ ۱۸۰۹ء کا ایک نیا واقعہ عبرت انگیز دیکھ کر لوگوں کو رونا آتا تھا اور وہ یہ ہے۔ کہ سنہ ۱۸۰۹ء میں ایک بدبخت راجا جگن ناتھ پوری کا جس کے واسطے مدت تک اخباروں نے بھی سر پھوڑا تھا قید ہو کر کالے پانی میں پہنچا۔ مگر بوجہ کالا چہرہ ہونے کے بے چارہ عام جوہڑے چماروں کے ساتھ کھانا پاتا اور مشقت کرتا تھا اور جب بوجہ نازک مزاجی اُس سے مشقت نہ ہوتی تو بیت اور جیل اور چکی پیسنے کی سزا پاتا رہا۔ آخر انہی صدموں سے تھوڑے روز بعد وہ راجہ وہیں پر جیل میں مر گیا۔ اور انہیں ایام میں مسٹر لیمیر نام ایک کرانی بھی گو یہاں سے کالا مگر یورپین نام اور کوٹ پتلون سے مشرف ملک اودھ سے قید ہو کر وہاں پہنچا تھا اور اُس کو گوروں کیسا عمدہ کھانا ملنے لگا۔ ایک علیحدہ مکان پلنگ وغیرہ کل سامان عیش و آرام کا مل گیا اور بجائے مشقت کے کچہری ڈپٹی کمشنر میں کلارک ہو گیا چونکہ یہ کمبخت راجہ اور یہ خوش نصیب کرانی دونوں ایک ہی وقت میں پہنچے یہ تفرقہ صرف سلوک اور طرف [illegible] کوٹ پتلون ہونا قدرت [illegible] رونا آتا تھا۔

باب (۲۱)

شادی خانہ آبادی

اتفاق حسنہ اور فضل الٰہی سے ہمارے انڈمان پہنچنے کے ایک ہفتہ بعد پچاس قیدی بغاوت سنہ ۵۷ء کے جن میں اکثر منشی اور جمعدار وغیرہ بھی تھے حسب الطلب راجہ بروکس کے جزیرہ سراوک کو کہ ایک ملائی ملک سنگاپور کے مشرق کو واقع ہے بھیجے گئے تھے۔ اس سبب سے عمدہ عمدہ عہدے منشیوں کے خالی تھے۔ میری لیاقت کا حال اُن لوگوں اس وقت بذریعہ اخباروں کے اور نیز مولوی احمد اللہ صاحب سے معلوم ہو چکا تھا اس واسطے میں تو جہاز سے اُترنے کے ساتھ ہی کچہری صاحب سپرنٹنڈنٹ اور چیف کمشنر میں محرر سرشتہ دار یا نائب میر منشی مقرر ہو گیا۔ ایک گھر رہنے کو ایک نوکر بلا تنخواہ خدمت کو مل گیا۔ مثل آزادوں کے جہاں چاہتا رہتا جہاں چاہتا جاتا۔ روک ٹوک مطلق نہ رہی۔ اس وقت میرا عین عالم شباب قریب ستائیس کے سن و سال تھا جس میں تجردی دینی دنیوی دونوں قباحتوں سے خالی نہ تھی اس واسطے اوّل میں نے چاہا کہ ملک سے اپنی بیوی کو بلوا لوں مگر نہیں کہہ سکتا کون مانع ہوا [illegible] اس واسطے میں نے پہنچتے ہی [illegible] ایک خوش اندام کشمیری عورت سے شادی کر لی [illegible] ناگہانی [illegible] کر وہاں پہنچی تھی [illegible]

اور خدمت گذار ہوئی۔ اب میں دیکھتا تھا کہ رفتہ رفتہ ہر ایک چیز کا جو ہند میں مجھ سے چھوٹی تھی نعم البدل مجھ کو ملنا شروع ہوا۔ اور جنہوں نے میری دشمنی پر کمر باندھی تھی ایک کے بعد ایک تباہ ہونے لگے۔ یہاں تک کہ میرے ہند میں واپس آنے کے وقت تک ہر شخص حسب مدارج خود اپنی اپنی جزا و واجب کو دنیا ہی میں پہنچ چکا۔ ۲۵ دسمبر ۱۸۶۷ء کو جس زمانہ میں یہ خاکسار جزیرہ پورٹ بلیئر سیٹلمنٹ میں تھا مولوی عبدالرحیم صاحب بھی انڈمان پہنچ گئے اور وہاں جاکر اول گھاٹ منشی مقرر ہوئے اور پھر اس کے کچھ عرصہ بعد ہسپتال محرر ہو گئے اور قریب نو برس کے اس طرح سے کار سرکار کر کے پھر انہوں نے دکان بزازہ کھولنے کا ٹکٹ لے لیا۔ اور اسی پیشہ دکانداری سے اُن کی رہائی ہو گئی۔

سمندر کے کنارہ کے ملکوں اور جہازی ملازموں اور سیاحوں پر اکثر بحری آفات بھی پڑا کرتی ہیں جن سے ہند کے آدمی سراسر ناواقف ہیں۔ کالے پانی میں بھی ہر سال بہت سے آدمی اور کشتیاں سمندر کی نذر ہو جاتی ہیں۔

باب (۲۴)

تین مہلک حادثے

مجھ کو بھی اس مدتِ بست سالہ میں بارہا ان آفات کا سامنا ہوا مگر عین ڈوبنے کے وقت جب میں چاروں طرف سے ناامید ہو کر اللہ رب العزت

کی طرف سے دل سے رجوع ہوا تو اس ربِ قدیر نے فوراً بچا دیا منجملہ بہت سے آفات کے جن میں یہ خاکسار مبتلا ہو کر وقتاً فوقتاً بچتا رہا۔ صرف تین واقعوں کا مختصراً یہاں ذکر کرتا ہوں۔ ایک مرتبہ میں جزیرہ روس سے پرسو برلنس پلیٹ نام ٹاپو کو جاتا تھا۔ پرسو برلنس پینیٹ کے نزدیک پہنچ کر ایسا سخت طوفان ہوا کہ کشتی ڈوبنے میں کچھ باقی نہ رہا تھا۔ اس وقت ایک موج نے اس کشتی کو اٹھا کر پل سنگ کے نزدیک کر دیا۔ کہ اس وقت میں اور ایک دو دوسرے مسافر پھرتی کر کے پل پر کود پڑے۔ ادھر ہمارا کودنا تھا کہ ایک دوسری موج نے اس کشتی کو اٹھا کر پل پر دے مارا پس کشتی پرزہ پرزہ ہوگئی اور باقی ماندہ لوگ سخت مجروح ہوئے۔ اسی طرح ایک روز ابرڈین سے روس کو جاتے وقت ایک طوفانی موج نے کشتی کو پل پر پٹکنا چاہا تھا کہ ہم کود کر پل پر جا کھڑے ہوئے۔ تب کشتی پل سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی اور اکثر مسافر مجروح ہوگئے بار بردار ی ڈوبنے سے بچے۔ ایک تیسری بار ہماری کچہری کا سارا عملہ ایک کشتی میں سوار ہو کر روس سے ابرڈین کو آتا تھا۔ وسط راہ میں ایک ایسا سخت طوفان آیا کہ سب لوگ ناامید ہو گئے اور اپنے کو مردہ سمجھ چکے تھے بارش اور ہوا بھی بڑے زور سے تھی۔ نہ نزدیک کنارہ تھا نہ کوئی فریادرس تھا۔ اندھیرا ایسا تھا کہ کنارہ ہی سے ہماری اس مصیبت کو کوئی نہ دیکھ سکتا تھا۔ اس وقت کشتی کا سکان بھی ٹوٹ گیا۔ پانی سے کشتی بھر گئی کوئی چارہ کار و علاج باقی نہ رہا تب میں نے اس فریادرس اور دستگیر درماندگاں کو پکارا۔ میرا دعا کرنا تھا کہ غیب سے ہمارے

نزدیک یک بیک ایک بڑی کشتی جس میں سردار گنبھیل سنگھ سپرنٹنڈنٹ پولیس سوار تھے ظاہر ہو گئے اور ہم کو اس حال تباہ میں دیکھ کر جھٹ پٹ اُنھوں نے ہم کو اپنی کشتی میں لے لیا اور صحیح سلامت کنارہ تک پہنچا دیا۔

جنوری سنہ ۱۸۶۵ء میں یہ خاکسار جزیرہ ہدو کو بدل آیا۔ اور وہاں اسٹیشن محرر مقرر ہو گیا۔ ۲۰ فروری سنہ ۱۸۶۸ء کو بمقام روس مولوی یحییٰ علی صاحب راہی فردوس ہوئے۔ اور گو میں اُن سے بہت فاصلہ پر جزیرہ ہدو میں تھا اور مجھ کو اُن کی بیماری تک کی بھی اطلاع نہ ہوئی تھی مگر تقدیر محمد کو عین اس وقت جزیرہ روس کو لے گئی کہ جب اُن کا جنازہ تیار ہو کر نماز پڑھنے کی تیاری ہو رہی تھی ہمارے مقابے کے کل آدمی اُن کی تجہیز و تکفین میں شریک ہو گئے تھے۔ میری بیوی مولوی یحییٰ علی صاحب سے مرید بھی تھی اور اُن سے بہت محبت کرتی تھی اُس کو اس موت کے سبب سے زیادہ صدمہ پہنچا۔ بلکہ ۲۲ اپریل سنہ ۱۸۶۸ء کو مولوی صاحب کی وفات سے سوا دو ماہ بعد وہ نیک بخت بھی راہی فردوس ہوئی۔ ہند سے قید ہو کر جانا گویا اس بی بی کا اسی خاتمہ بخیر کے واسطے تھا۔ کہ تھوڑے دنوں میں اس کو نصیب ہو گیا۔

باب (۲۳)

تجارت

اس بی بی کی وفات کے بعد میں نے سب زیور وغیرہ فروخت کر کے

بقدر تین سو روپیہ کے دہلی کو اپنی بیوی کلاں کے پاس بھیجے تھے کہ ان
کا مال سمہ یونا وغیرہ سے خرید کر بھیجدیوے کیونکہ ان ایام میں پورٹ
بلیر میں دہلی کا مال تگنے چوگنے دام پر فروخت ہوتا تھا مگر یہ مال راہ میں بہت
ضائع ہو گیا اور دہلی سے روانہ ہونے کی تاریخ کے دو برس بعد بمشکل کچھ واپس
مال سنہ ۱۸۷۰ء میرے پاس پہنچا تھا جس میں سے فقط ایک سو پچاس روپیہ مجھ کو
وصول ہوتے اور یک صد پچاس روپیہ بھی جب دوبارہ ایک دوست کے پاس
کلکتہ کو واسطے منگانے اور مال کے میں نے روانہ کیے تو بنگالی بابوؤں نے مخبری
کر کے وہ ہنڈوی پکڑوا دی تھی کیونکہ میں ملازم سرکار اور مجھ کو پیشہ تجارت کا
کرنا منع تھا۔ میں نے وہ مال ایک سوداگر کے نام سے منگایا تھا اور ہنڈوی ایک
افسر ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کی طرف سے تھی خط مطلب مال میری طرف سے
لکھا ہوا تھا۔ وہ لفافہ معہ خط اور ہنڈوی کے گرفتار ہو کر صاحب چیف کمشنر
کے سامنے پیش ہوا۔ بلحاظ صورت مقدمہ ضبطی ہنڈوی اور میری سزا کا پورا سامان
ہو گیا تھا۔ مگر خداوند تعالے نے محض اپنے فضل سے مجھ کو اور ہنڈوی دونوں
کو بچا لیا۔ لیکن وہ سوداگر جن کے پاس ہنڈوی بھیجی گئی تھی اس کا روپیہ وصول
کر کے کلکتہ سے فرار ہو گیا۔ غرض پیشہ تجارت میرے واسطے منظور الٰہی نہ تھا
جس کو اس تاریخ کے بعد میں نے پھر کبھی نہیں کیا۔ اس بیوی کی وفات کے بعد
میں اور نو برس مجرد رہا مگر یہ ٹاپو جہاں اس حالت تجرد میں میرا قیام تھا۔
عورتوں سے بھرا ہوا اور میں اس ٹاپو میں افسر تھا۔ بہت سی عورتوں نے مجھ کو اپنا
شکار کرنا چاہا مگر حفاظت اور حمایت غیبی میرے شامل حال رہی اللہ رب العزت

نے مجھ کو ہلاک ہونے نہیں دیا گو میرے عہدہ کے سبب سے رات دن
مجھ کو ان وحشیوں کے ساتھ ملنا پڑتا تا اور طرح طرح کے ایسے سرکاری
کام بھی پڑتے تھے وہ اکثر میرے گھر میں بھی آتیں اور میرے پھنسانے کی کوشش
بھی کرتیں۔ لیکن جس کو خدا بچاوے اس کو کون مارے۔ میں نے یہ کیفیت
دیکھ کر اپنی بیوی کو پانی پت سے پھر بلانا چاہا۔ مگر اس وقت وہ راضی نہ
ہوئی اور جب ایک دفعہ اس کی رضامندی بھی ہوئی تھی تو میری درخواست
حاکم وقت نے نامنظور کر دی۔ اس واسطے مجبور ہو کر کسی نیک بخت عورت
سے وہیں نکاح کرنے کی صلاح ٹھہری اور اس بات میں درگاہ الٰہی میں بھی
التجا کی گئی۔ کہ اس مقدمہ میں جیسے تجھے پسند ہو پردہ غیب سے اسے
ظاہر کر دے اور کسی نیک بخت سے میرا سنجوگ کرا دیجیو۔ اول بعض دوستوں
کی صلاح سے یکے بعد دیگرے دو پنجابی مسلمان عورتوں سے میرے نکاح
کی بات چیت شروع ہوئی۔ مگر باوجود رضامندی طرفین اور نہ ہونے کسی
ظاہری مانع کے ان دونوں جگہوں کی صلاح خود بخود موقوف ہو گئی اور غیب سے
وہ بات درہم برہم ہو گئی اس وقت اس موقوفی کے اسرار بظاہر معلوم نہ ہوتے
تھے کیونکہ وہ دونوں عورتیں بارک میں بند رہتی تھیں۔ ان کے چال چلن پر
کوئی رائے قائم نہیں ہو سکتی تھی، مگر تھوڑے روز بعد جب وہ دوسرے
آدمیوں سے شادی کر کے بارک سے باہر ہوئیں تو پوری فاحشہ اور بدکار نکلیں
اس وقت وہ حکمت الٰہی موقوفی میری شادی کی معلوم ہوئی اور اس حفاظت غیبی
پر میں شکر الٰہی بجا لایا اس مایوسی میں کہ میں ایک صالح اور جوان عورت کا متلاشی تھا۔

باب (۲۴)

دوسری شادی

ایک ہندو عورت قوم برہمن ضلع الموڑہ کی رہنے والی نئی قید ہو کر وہاں پہنچی اور بارک عورات ہدوانی ہمارے حوالہ ہوئی۔ میں نے جس کو دیکھا کہ نہایت خوش چلن اور شرمناک عورت ہے۔ مگر بڑے سرے کی اپنے ہندو دھرم میں متعصب تھی کسی مسلمان عورت کے نزدیک کھڑا ہونا اور کپڑا چھونا تک گوارا نہیں کرتی تھی۔ بارک کی مسلمان عورتیں اس کے تعصب سے تنگ آگئیں۔ میں نے یہ سبیل تذکرہ ایک روز اس سے کہا کہ اگر تو مسلمان ہو جائے تو تیرے واسطے دنیا اور آخرت میں بھلا ہوگا۔ اور آگ دوزخ سے بھی نجات پاوے گی۔ پہلے تو یہ سوال سن کر اس کو سخت حیرت ہوئی لیکن روز ازل سے اس کا مسلمان ہو کر میرے بہت سے بچوں کی والدہ ہونا مقدر ہو چکا تھا اور اسی سبب سے گو وہ برہمنوں کے گھر ایسے ملک کوہستان میں پیدا ہوئی تھی جہاں اب تک بھی مسلمانوں کا نام و نشان نہیں۔ مگر تو بھی ہمیشہ شرک اور بت پرستی سے بیزار رہتی تھی اور کبھی بھی بتوں کی پوجا میں شریک نہیں ہوئی۔ گو اس بیزاری کا سبب خود اس کو بھی معلوم نہ تھا۔ بلکہ اس کی وضع اور عادت کو دیکھ کر ایک جوتشی برہمن نے اس کی والدہ کو یہ خبر بھی دی تھی کہ یہ لڑکی جلد تم سے جدا ہو جاوے گی۔ ادھر اپریل سنہ ۱۸۶۸ء میں میری

کشمیرن بیوی فوت ہوئی۔ ادھر الموڑہ کے پہاڑ پر میری اس برہمنی بیوی پہ ایک ناگہانی مقدمہ کھڑا ہو کر گرفتار ہو گئی۔ چنانچہ مختصر صورت اس مقدمہ کی یہ ہے کہ ایک لڑکی جو اس میری بیوی کے ساتھ باہر ایک ڈھٹے کنوئیں پہ کھیل رہی تھی۔ پاؤں پھسل کر کنوئیں میں گر کر سخت مجروح ہو گئی۔ گو اس ناگہانی آفت میں میری بیوی کا کچھ قصور نہ تھا۔ مگر ان دونوں لڑکیوں کے والدین میں سخت عداوت تھی۔ بوجہ اس عداوت کے ایک مقدمہ اقدام قتل اس بے گناہ پہ کھڑا کر دیا گیا وہ زخم بھی چند روز کے بعد اچھا ہو گیا تھا اس سبب سے قانوناً یہ مقدمہ اس لائق نہ تھا کہ اس میں دائم الحبسی کی سزا دی جائے مگر اس حکیم اور قدیر کو اس وقت اس بیوی کا پورٹ بلیر پہنچانا اور میری بیوی کرانا منظور تھا۔ تو اس جرم میں گرفتار ہو گئی۔ پہلی ہی شب گرفتاری کو بوقت سحر اس نے ایک بزرگ نورانی چہرہ بوڑھے مسلمان کو خواب میں دیکھا جس نے اس کو ایک ٹھوکر مار کر اس سے کہا کہ اٹھ نماز پڑھ اور دعا کر تیرے واسطے قید ہونا اچھا ہوا۔ اس نے اس سے پہلے ایسی شکل اور ہیئت کا انسان کبھی نہ دیکھا تھا اور نہ لفظ نماز اور دعا کا کبھی سنا تھا۔ گھبرا کر جاگ اٹھی اور محافظین جو ایک مسلمان سپاہی تھا اس سے یہ خواب بیان کر کے اس کی تعبیر پوچھی جس نے کہا کہ تو ضرور قید ہو کر مسلمان ہو جاوے گی۔ یہ تعبیر گو اس وقت اس کے دل پہ نہایت شاق اور غیر ممکن معلوم ہوئی تھی گو بوجہ اسی قبولیت ازلی اور تعبیر رؤیا حقہ کی اب اس نے آخر میرے کہنے کو قبول کر لیا اور مسلمان ہونے اور مجھ سے شادی کرنے پر راضی ہو گئی۔ اتفاقِ حسنہ سے انہیں ایام میں رمضان

تشریف آگیا۔ میں نے ستائیسویں شب رمضان کو ایک بڑا دھوم دھام کا کھانا کر کے اس کو مسلمان بنایا اور جب ارکانِ اسلام اور نماز وغیرہ خوب سیکھ گئی تو حاکم وقت سے اطلاع کر کے ۱۵ اپریل ۱۸۸۱ء کو اس سے نکاح کر لیا۔ صدہا آدمی میرے نکاح میں شریک ہوئے تھے اور ہمارے مولانا مولوی احمد اللہ صاحب نے یہ نکاح پڑھا تھا۔ دوسرے دن بڑی دھوم دھام سے اس کا ولیمہ ہوا۔ اس بیوی سے مجھ کو دس بچے پیدا ہوئے جن میں سے آٹھ بچے اس وقت تک زندہ موجود ہیں۔ اور یہی بیوی پورٹ بلیر سے ہند کو میرے ساتھ آئی۔ اور یہ بائیس برس گذشتہ اس نے نہایت رفاقت اور اطاعت اور عصمت سے بسر کیے۔ اور توحید اور توکل میں بھی یہ بی بی لاثانی ہے۔ اللہم زد فزد۔

باب (۲۵)

دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست

میں نے پورٹ بلیر میں پہنچکر چند خطوط مشعر اپنے آرام سے رہنے اور شادی کرنے اور بطور آزاد نوکری حاصل کرنے کے حاجی محمد شفیع صاحب انبالوی کو وقتاً فوقتاً لکھے تھے اور اُن لوگوں کو جو دوسرے بے قصور مسلمانوں کو پھنسا کر بطور نیم رہا شدہ کے ذلت کی جوتیاں کھاتے پھرتے تھے۔ حسرت دلانے کے واسطے اپنی راحت اور تائیدات الٰہی کو خوب الفاظ مبالغہ میں بیان کیا تھا۔

لیکن کبھی کسی خط کا جواب میرے پاس نہیں آیا۔ مگر اس مابین میں مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ کسی نے وہ خطوط بنظر اظہار خیر خواہی سرکار میں پیش کر دیے اور گورنمنٹ ہند تک پہنچ کر اُن پر بہت بحث ہوئی اور سپرنٹنڈنٹ پورٹ بلیر سے کیفیت بھی طلب کی گئی۔ اور قریب تھا کہ اگر فضل الٰہی میرے شامل حال نہ ہوتا اور حکام پورٹ بلیر میرے واسطے بطور وکیل نہ جھگڑتے اور ان مہربانیوں اور رعایتوں کا مجھ سے چھین لینا خلاف قاعدۂ عام پورٹ بلیر کے نہ ہوتا تو میرے واسطے ہمیشہ سخت مشقت کرنے کا حکم ہو جاتا اور یہ بھی ایک شان الٰہی اور تائید غیبی تھی کہ جان لارنس صاحب بہادر گورنر جنرل مجھ جیسے غریب قیدی جس کے وارنٹ میں تا حیات سخت مشقت کرنے کا حکم ہو سخت مشقت کرانا چاہتے اور وہ رب العزت ایسے جھگڑوں پر بھی مجھ کو مشقت سے بچا لیوے ایک یہ امر بھی تائید الٰہی سے تھا کہ جب ہم پورٹ بلیر پہنچے اُس وقت وہاں کے سب حاکم مدراس احاطہ کے تھے۔ بغاوت سنہ ۱۸۵۷ء اور وہابیوں سے کچھ بھی واقف نہ تھے اس سبب سے اُن کے سینے بہت صاف از تعصب تھے اُنھوں نے ہمارے ساتھ کچھ تعصب نہیں کیا۔ بلکہ بوجہ خوش چلنی اور عمدہ کارگذاری کے سنہ ۱۸۷۱ء تک سب قیدیوں سے زیادہ مہربانیاں اور رعایتیں ہمارے ساتھ ہوتی رہیں۔ لیکن جب اوّل بار ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے نمک مرچ لگا کر ہمارے مقدمہ کو رائی سے پہاڑ اور رسی سے سانپ بنایا اور لکھ دیا کہ وہابی اور باغی دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ اور پھر بنگال گورنمنٹ کے صاحب لوگ اُس جزیرے میں آنے لگے اس وقت تو ہم لوگ

ایک نشانہ ہو گئے راہ گلی چلتے میں ہماری طرف اشارے ہوا کرتے تھے اور بہت سے صاحب لوگ ہمیشہ اسی گھات میں رہتے کہ کوئی موقع اور قانونی حیلہ پاکر ہم کو تکلیف دیں۔ لیکن جب ایسا حافظ حقیقی کسی کی محافظت کرے تو اس کو کون تکلیف دے سکتا ہے۔ میں نے ہمیشہ دیکھا کہ جب ایک صاحب درپے تکلیف دینے ہمارے کے ہوا تو اس کے مقابل دوسرا صاحب اس سے بھی بڑا ہماری مدد اور اعانت کو کھڑا ہو گیا۔

کرنیل مین صاحب کے عہد میں ایک بڑے یورپین افسر کی تحریک سے میرے اوپر ایک جھوٹا مقدمہ اعانت تصرف بے جا کا دائر کیا گیا اور کرنیل مین صاحب سا بے تعصب حاکم مجھ سے ایسا برافروختہ ہو گیا کہ مجھ کو فوراً بذریعہ سمن عدالت میں طلب کر لیا۔ اس وقت میرے بہت دوستوں نے مجھ کو یہ صلاح دی تھی کہ جان بچانے کے واسطے جھوٹ بولنا جائز ہے اس مقدمہ میں اپنی لاعلمی بیان کر کے اپنی جان بچالو۔ مگر میں نے کہا کہ جو کچھ ہو سو ہو میں تو سچ بولوں گا۔ آخر جب مقدمہ پیش ہوا سب سے اول میں بلایا گیا اور کرنیل صاحب موصوف میرا اظہار لکھنے لگے میں نے صحیح طور پر حرف بحرف بیان کر دیا کہ ہاں میرے سامنے مسٹر ہیوڈ او رسیر مدعا علیہ نے مسمی حمید خاں جمعدار مدعی کی جائداد جہاں پائی بطور خود ضبط کر کے آپ نیلام اور فروخت کر دی۔ اور اس کا زر ثمن آپ کھا گیا میں بوجہ ہونے محرر اسٹیشن کے ضرور اس کے ہمراہ تھا۔ میرا اس قدر بیان ہونے پر مسٹر ہیوڈ نے سب روپیہ حمید خاں مدعی کو دلایا۔ اور ہیوڈ مذکور جو

سو روپیہ ماہوار کا اوورسیر تھا نوکری سے موقوف ہو کر ان جزائر سے بدر کیا گیا اور
میں اپنے سچ کی برکت سے صاف بری ہو کر اپنے گھر واپس چلا آیا۔

جنوری ۱۸۶۹ء میں لفٹنٹ براتھرو صاحب جو اس وقت کرنیل اور
قائم مقام کمشنر پورٹ بلیر کے ہیں کالے پانی میں اسسٹنٹ ہو کر آئے۔ اپریل
۱۸۷۹ء میں ہماری بقر عید پڑی۔ ایک بیل مول لے کر اپنے دستور کے موافق ہم
نے قربانی کرنا چاہا تھا۔ مگر قربانی کرنے کے وقت ہندوؤں نے بلوہ کر کے وہ بیل
ہم سے چھین لینا چاہا۔ ہمارے ساتھ چند آدمی تھے ہم نے اُن کا غیر واجبی حملہ
سمجھ کر بیل نہیں دیا۔ ہندو حسب عادت خود اُٹھے جوش و خروش پر تھے۔
ہم نے عین اُسی وقت میں کہ جماعت ہنود بیل کی قربانی کے ساتھ ہماری قربانی
کرنے کو ہمارے سر پہ تیغ کھڑے تھے۔ بیل کو قربانی کر دیا۔ ہم مسلمان فقط چار
پانچ آدمی تھے اور ہندو دو سو نفر سے بھی زیادہ تھے پس ایسی قلیل جماعت کو
بمقابلہ ایسی کثیر اور پر جوش جماعت ہنود کے باز نہ آنا ہی قرین مصلحت تھا مگر مذہبی
جوش اور ادائے فرض نے ہم کو بھی اس فعل کے کرنے پر مجبور کر دیا جب ہندوؤں
کی آنکھ سامنے قربانی کا خون بہا تو اس پر بڑا بلوہ اور شور و شر ہوا قریب تھا کہ
دس بیس خون ہو جاویں۔ مگر پولیس اور اوورسیر کے جلد پہنچ جانے پر
نوبت کشت و خون کی نہ پہنچی۔

باب (۲۶)

ہندوؤں کی ناکام کوششیں

لیکن مقدمہ کچہری میں چلنے لگا گو ہندو بڑے مالدار صاحب اقتدار اور حکام کے منہ چڑھے تھے۔ مگر پرانچرو صاحب کی کوشش اور مدد سے ہم لوگ بچ گئے جیسے میرے خیالات اور سمجھ اس وقت ہے۔ اگر اس وقت بھی ایسے ہی ہوتے تو میں بجائے اس بیل کے بکرا قربانی کرتا اور صدہا آدمیوں کے دلوں کو نہ دکھاتا۔ ؎

مباش در پے آزار ہرچہ خواہی کن
کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

اس وقوع قربانی کے بعد حسب عادت خود سب پورٹ بلیر کے ہندو متفق ہو گئے اور یہ صلاح ہوئی کہ چاہے ہزاروں روپیہ خرچ ہو جاوے۔ مگر محمد جعفر کو سخت سزا کرائی جاوے۔ اس لیے مونگا لال ایک میرے ماتحت محرر کو اس بات پر آمادہ کیا کہ جس طرح ہو سکے حساب نقدی اسٹیشن میں تغیر و تبدل کرائے کوئی مقدمہ غبن اور چوری روپیہ سرکاری کا محمد جعفر پر دائر کیا جائے۔ اسی واسطے بے اطلاع میرے یہ سازش ایک ہندو رینٹر کے ایک حساب نیلام میں جو میری معرفت سے ہوا تھا قریب سوا روپیہ کے غبن میرے اوپر قائم کر دیا اور فارسی اور انگریزی دونوں حسابوں سے

رقومات تصدیق کرا کے بہت سے گواہ بھی تیار کر لیے گو صاحب ضلع تک در پردہ
اس کی رپورٹ ہو گئی تھی مگر مجھ کو ابھی تک اس کارروائی کا کچھ علم نہ تھا۔ آخر ایک
روز یک بیک اور سیر نے میرے گھر پر آکر میری کل کتابیں حساب سرکاری کی
قید کر لیں۔ اس وقت مجھ کو معلوم ہوا کہ میرے قتل کا سب سامان طیار ہے
دوسرے دن اس کی دریافت و تحقیقات ہونے والی تھی۔ خیر میں نے اس
کارروائی سے مطلع ہو کر اپنے رب سے دعا کی اور اوور سیر سے جس کے زیر
حراست میری کتابیں تھیں سازش کر کے مخفی طور پر ایک گھنٹے کے واسطے
اپنی کتابیں واپس لے لیں اور اسی ایک گھنٹے کے اندر وہ کل کارروائی
جلسازی کی جو مہینوں میں تیار ہوئی تھی رفع دفع کر کے میں نے اپنا حساب
ٹھیک ٹھیک تیار کر کے کتابیں پھر اوور سیر کے حوالے کر دیں۔ دوسرے دن
باجلاس براتھ ووصاحب بہادر تحقیقات شروع ہوئی جب حسب نشان دہی
مدعیان کتابوں میں میرا حساب دیکھا گیا تو سب ٹھیک تھا سر مو تفاوت نہ
نکلا اور چونکہ براتھ ووصاحب نے مقدمہ قربانی سے چند روز پہلے ہم کو بری
کیا تھا اُس سے فوراً کہہ دیا کہ یہ مقدمہ محض دروغ اسی مقدمہ قربانی ہی کی عداوت
سے ہے۔ منگالال میرے ماتحت محرر کو چھ ماہ قید سخت کی سزا دے کر
اس ہندو رپٹر کو ایک درجن بیت کی سزا دی اور مجھ کو بری کر دیا۔ ہندو تو
مجھ پر ایسے غصہ ہو رہے تھے کہ انہوں نے کورٹ میں کھڑے کھڑے ایک
دوسرا الزام جلدی مجھ پر قائم کر دیا تفصیل اس کی یہ ہے کہ منگالال مذکور نے
بعد پانے سزا کے ہاتھ باندھ کر براتھ ووصاحب سے عرض کیا کہ کچھ میری عرض

ہے۔ صاحب نے کہا کہ کیا ہے کہو۔ تب وہ بولا کہ حضور نے جو تختہ ہائے چوب سُرخ محمد جعفر کو واسطے بنوانے بازار کے دیے تھے۔ اُس نے اُن تختوں سے اپنے گھر کے دروازے اور تخت پوش و صندوق بنوا لیے اور بازار میں نہیں لگوائے۔ اگر حضور اسی وقت تکلیف کریں تو میں وہ سب چیزیں محمد جعفر کے گھر سے پکڑوا دوں۔ جب یہ بیان ہو رہا تھا۔ میں سر نیچے کیے ہوئے خداوند تعالیٰ سے دعا کرتا تھا کہ اس آفت سے بچانا بھی تیرا ہی کام ہے۔ کیونکہ جن جن چیزوں کا اس نے نام لیا تھا وہ سب میرے گھر میں موجود تھیں۔ اور اس وقت اگر حاکم مجھ سے سوال کرتا۔ تو میرے خیال میں میرے نزدیک سوائے ہاں کے کوئی جواب نہ تھا۔ لیکن اُس مقلب القلوب کی قدرت کو دیکھیے بعد غور سے سننے اس عرض اور مخبری کے برانڈرتھ صاحب نے مونگا لال سے کہا کہ وہ تختہ ہم نے اس کو دیا ہے۔ تم کو اس میں مخبری کرنے کا کیا اختیار ہے؟ اسی دم اُس کو عدالت سے باہر نکال دیا۔ اور مجھ سے فرمایا کہ تم گھر جاؤ اور ہوشیار رہو۔

سنہ ۱۸۶۹ء میں ایک رات کو جب کہ میرے گھر میں قریب پانچ سو روپیہ کے سرکاری روپیہ تنخواہ قیدیاں اسٹیشن بدو کا رکھا ہوا تھا میرے گھر کی کھڑکی توڑ کر ایک چور میرے مکان میں اندر گھس آیا اور بتی کو جو میرے پلنگ کے نزدیک جلتی تھی بجھا دیا۔ ایک چھوٹا سا صندوقچہ روپیہ سے بھرا ہوا میری پائنتی کے پاس رکھا تھا، میں غافل سوتا تھا۔ میرا ایک نوکر مراد نام دوسری کوٹھڑی میں تھا۔ اس وقت چور کو وہ صندوق اُٹھا لیجانے کو

کوئی چیز مانع نہ تھی لیکن قدرت الٰہی سے یک بیک میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے اندھیرا دیکھ کر اور کچھ آہٹ پا کر اپنے تکیہ کو جو ہاتھ بڑھایا تو چور خالی ہاتھ نامراد ہو کر اسی دم بھاگ گیا اور اس رب العزت نے میری عزت رکھ لی۔ بشرط چوری ہو جانے اس سرکاری روپیہ کے بظاہر میری سخت خرابی اور بربادی تھی۔

مارچ سنہ ۱۸۷۰ء میں میں نے یک صد پچاس روپیہ کی ایک ہنڈوی از طرف مسٹر روپ اسٹراپ صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بنام منشی غلام نبی صاحب خزانہ کلکتہ پر واسطے منگانے بعض ضروری سامان اپنی شادی کے بھیجنا چاہا تھا اور وہ مال بھی ایک دوسرے سوداگر کے نام سے منگانا تجویز کیا تھا کیونکہ میں ملازم سرکار تھا۔ مجھکو نہ ہنڈوی بھیجنے کا اختیار تھا اور نہ مال منگانے کا۔ یہ سب کارروائی ناجائز مخفی طور پر کی گئی تھی۔ جب میں خط معہ ہنڈوی ڈاک میں ڈالا تو ہندو میرے دشمنوں کو بھی اس حال کی کسی ذریعہ سے خبر ہو گئی۔ انہوں نے کرنیل مین صاحب چیف کمشنر سے مخبری کر کے فوراً اس خط اور ہنڈوی کو پکڑا دیا اور تجویز ہوئی کہ سوائے ضبطی اس زر ہنڈوی کے مجھ کو سزا بھی ہوگی۔ جب کہ اس گنہگار کو خط اور ہنڈوی کی اطلاع ہوئی تو جناب الٰہی میں التجا کر کے براتھ ورتھ صاحب سے جا کر سارا حال بیان کیا۔ اور وہی مقدمہ قربانی اس عداوت کا سبب ظاہر کیا۔ براتھ ورتھ صاحب نے مجھ سے کہا کہ تم کچھ فکر نہ کرو میں کرنیل مین صاحب سے ملاقات کر کے اس کا حال دریافت کروں گا۔ غرض براتھ ورتھ صاحب کرنیل صاحب موصوف کے بنگلے پر گئے اور ان سے ملاقات کر کے میری ہنڈوی اور خط دونوں واپس لے آئے اور مجھ کو لا کر دے دیا۔ اور فرمایا کہ ہندو تمہارے دشمن ہیں تم ہوشیاری سے کام کرو۔

باب (۲۷)

مولوی محمد حسین صاحب کی تشریف آوری

اگست ۱۸۷۱ء میں یہ عاجز پھر کچہری صاحب چیف کمشنر بہادر میں جزیرہ بدو سے صدر مقام جزیرہ روس کو تبدیل ہوگیا مئی ۱۸۷۱ء میں جب میں جزیرہ روس میں تھا مولوی محمد حسین صاحب ہم لوگوں کی ملاقات کو ٹپنہ سے پورٹ بلیر کو آئے اور ایک مہینہ تک رہکر پھر اپنے ملک کو واپس تشریف لے گئے۔ ایک دن جب مولوی محمد حسین صاحب بڑے ذوق شوق سے کشتی میں سوار ہوکر جزیرہ روس سے جزیرہ وائپر کو مولوی احمد اللہ صاحب کی ملاقات کے واسطے جا رہے تھے راستے میں وہ کشتی طوفان میں پڑی اور قریب تھی کہ ڈوب جاوے۔ اس وقت اپنے ڈوبنے سے زیادہ مولوی محمد حسین صاحب کو یہ افسوس تھا کہ مولوی احمد اللہ صاحب کی زیارت بھی نصیب نہ ہوئی۔ لیکن یہ فقط آزمائش الٰہی تھی۔ چند جھکولوں کے بعد طوفان رفع ہوگیا۔ اور مولوی صاحب موصوف بخیریت تمام وائپر پہنچ گئے اور مولوی احمد اللہ صاحب سے ملاقی ہوئے۔ ہماری گرفتاری کے بعد انگریزوں نے مولوی محمد حسین کو بھی پھنسا کر کالے پانی بھیجنا چاہا تھا۔ مگر فضل الٰہی اور حکمت سبحانی سے وہ محفوظ رہے۔ لیکن اللہ رب العزت نے اس طرح یہ بھی کالے پانی تک پہنچا کر اور بعض مصائب بحری میں ڈال کر کالے پانی والوں کے اجر میں شریک کردیا

مارچ ۱۸۷۱ء میں کرنیل مین صاحب چیف کمشنر پنشن پا کر ولایت کو

گئے اور اکتوبر ۱۸۷۱ء میں جنرل اسٹوارٹ جاخیر میں جنگی لاٹ ہند کے ہو گئے تھے چیف کمشنر ہو کر انڈمان تشریف لائے۔ اسی صاحب کے عہد میں حسب ایماء لارڈ میو صاحب بہادر کے پورٹ بلیر میں بھنڈارہ کا کھانا قیدیوں کے واسطے مقرر ہوا اور لارڈ میو صاحب کا بنایا ہوا وہ قانون بھی جاری ہوا جس سے پورٹ بلیر کی قید ہندوستان اور ولایت کے جیلخانوں سے بھی زیادہ سخت ہو گئی۔

باب (۲۸)

لارڈ میو گورنر جنرل کا قتل

۸ فروری ۱۸۷۲ء کو لارڈ میو صاحب کا قتل بھی اس سپرنٹنڈنٹ کے عہد میں ہوا جس کو بطور ہدیہ مختصر ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔

لارڈ میو صاحب بہادر ۸ فروری ۱۸۷۲ء کو سات بجے کے بعد معہ چار اگنبوٹوں کے جزیرہ انڈمان میں رونق افروز ہوئے۔ صدہا صاحب لوگ اور میم واسطے سیر جزائر ہذا کے لارڈ صاحب کے ساتھ آٹھ بجے کے بعد گورنر صاحب معہ چند ہمراہیان خود جہاز سے اتر کر جزیرہ روس میں جو صدر مقام پورٹ بلیر کا ہے مشرف افروز ہوئے۔ اترنے کے وقت لارڈ صاحب کے واسطے ۲۱ ضرب توپ کی سلامی ہوئی اس وقت ہزاروں مرد عورت آزاد اور قیدی اس نظارے کے واسطے گمارٹ جزیرہ روس پر حاضر تھے۔ لارڈ صاحب بہادر ٹاپو میں اترنے کے ساتھ ہی بازار روس ایلنڈ کی طرف متوجہ ہوئے اور اسکول و بازار و ہسپتال

وبارک ہائے قیدیاں وبارک ہائے جنگی پلٹن کا ملاحظہ کر کے چیف کمشنر صاحب
انڈمان کے بنگلہ پر تشریف لے گئے اور وہاں ٹفن تناول فرما کر ورتھوڑا آرام
کر کے گورہ بارک کا ملاحظہ کیا اور پھر اپنے اگنبوٹ کو دیکھتے ہوئے وپر اہائنڈ
کو جہاں بدمعاش قیدی جیل میں رہتے ہیں شرف افزا ہوئے اور بعد ملاحظہ
وپیر کے جزیرہ چاٹم کو واپس آئے۔ جزیرہ چاٹم مابین راہ جزیرہ روس
اور جزیرہ وپیر کے مونٹ ہریٹ پہاڑ کے قریب واقع ہے۔ چاٹم میں ایک
دخانی آرہ گھر ہے۔ یہاں ایک لال لکڑی کے تختہ کو لارڈ صاحب نے
بہت پسند کیا۔ چاٹم میں پھرتے پھرتے یک بیک لارڈ صاحب کے دل
میں آیا کہ اسی وقت مونٹ ہریٹ پہاڑ کو بھی ملاحظہ کرنا چاہیے۔ پرائیویٹ
سیکرٹری اور چیف کمشنر صاحب نے بوجہ غیر وقت ہو جانے کے اس دن
مونٹ ہریٹ کو جانے سے بہت اصرار سے ان کو منع کیا لیکن لارڈ صاحب
نے نہ مانا۔ یوں کہو کہ موت نے ان کو نہ ماننے دیا اور چاٹم سے سوار ہو کر ہوپ ٹاؤن
میں جو زیر پائے کوہ مونٹ ہریٹ کے آباد ہے پہنچے۔ اس ٹاپو میں شیر علی
نام ایک آفریدی قیدی مدت دراز سے ایک چھری واسطے قتل کرنے کسی افسر
اعلیٰ کے تیار کر کے منتظر بیٹھا تھا۔ جب لارڈ صاحب کی کشتی ہوپ ٹوپ
میں پہنچی ——— تو شیر علی مذکور اپنی چھری ہمراہ لے کر آن پہنچا۔ صاحب ٹوپ
سے لارڈ صاحب کے ہمراہ تھا۔ مگر راستہ میں کہیں اس کا داؤ نہ چلا اور لارڈ صاحب
بخیریت تمام پہاڑ پر پہنچ گئے۔ اب وقت غروب آفتاب کا آ گیا تھا لارڈ
صاحب نے وہاں بیٹھ کر سمندر میں غروب آفتاب کا تماشا دیکھا اور

کہ ایسا خوب صورت نظارہ میں نے اپنی ساری عمر میں کبھی نہیں دیکھا۔ جب اندھیرا ہو گیا تو مشعلوں کی روشنی میں نیچے اُترنے لگے۔ اس وقت ایک مسلح جماعت پولیس لارڈ صاحب کے چاروں طرف تھی اور چیف کمشنر صاحب اور پرائیویٹ سیکرٹری لارڈ صاحب کے دائیں بائیں بدن سے بدن ملائے ہوئے چلتے تھے اور دوسرے بیسیوں افسر اُن کے پیچھے پیچھے تھے۔ اترائی میں بھی لارڈ صاحب بخیریت تمام ہوپ ٹون کے گھاٹ تک پہنچ گئے۔ مگر جب گھاٹ پر ایک گاڑی کے نزدیک جو وہاں اُس دن کھڑی تھی پہنچے چیف کمشنر لارڈ صاحب کی اجازت لے کر کسی ضرورت کے واسطے پیچھے ہٹ گئے اور لارڈ صاحب مع پرائیویٹ سیکرٹری آہستہ آہستہ چلے جاتے تھے اُس وقت اس گاڑی کی آڑ میں ایک آدمی نے مثل شیر کی کود کر لارڈ صاحب کو دو زخم کاری ایک چھری سے ایسے لگائے کہ لڑکھڑا کر لارڈ صاحب سمندر میں جا پڑے۔ اس گڑبڑ میں مشعلیں بھی سب گل ہو گئیں مگر ایک دوسرے قیدی نے جرأت کر کے قاتل کو پکڑ لیا ورنہ وہ اور دو چار کو مارتا۔ لارڈ صاحب کو سمندر سے نکالا اور اُسی گاڑی میں لٹایا وہ تو ایک دو بات کر کے راہی ملک بقا ہوئے۔ جب قاتل سے پوچھا کہ تم نے یہ کس واسطے کیا اُس نے کہا کہ میں نے خدا کے حکم سے کیا ہے۔ پھر پوچھا کہ تمہارا کوئی شریک ہے تو جواب دیا کہ خدا میرا شریک ہے بعد تحقیقاتِ ضابطہ منظوری ہائیکورٹ بنگال کے قاتل کو پھانسی کا حکم ہوا۔ یہ قاتل شیر علی نام ضلع پشاور کا پہاڑی افغان تھا۔ اُس نے کہا کہ سنہ ۱۸۶۹ء سے میرا ارادہ تھا کہ کسی بڑے افسر انگریز کو

کو مار ڈالوں گا ۔ اس واسطے چند سال سے میں نے یہ چھرا تیار کر کے رکھا تھا۔ جب ۸ ر فروری ۱۸۷۲ء کو لارڈ صاحب آئے اور ان کی سلامی ہوئی تو میں نے دوبارہ اس چھرے کو تیز کیا۔ میں تمام دن اس تاک میں کہ کس طرح اس ٹاپو میں پہنچوں جہاں لارڈ صاحب پھرتے ہوئے مجھ کو ملیں۔ مگر مجھ کو وہاں جانے کی رخصت نہ ملی۔ تقدیر شام کے وقت جب میں مایوس ہو گیا تھا لارڈ صاحب کو میرے گھر لے آئی۔ میں پہاڑ پر بھی لارڈ صاحب کے ساتھ گیا تھا اور ساتھ ہی واپس آیا مگر جانے اور آنے میں اور پہاڑ کے اوپر کہیں مجھ کو ایسا موقع نہیں ملا۔ تب میں اس گاڑی کی آڑ میں آکر چھپ رہا یہاں سے میری مراد دلی پوری ہو گئی۔ یہ شخص کو ضعیف الجثہ اور پست قد مدور آدمی تھا۔ مگر بڑا شہ زور اور دلیر آدمی تھا۔ پھانسی پڑنے کے وقت تک وہ کچھ ہراساں نہیں ہوا۔ پھانسی کے اوپر چڑھ کر اس نے باواز بلند قیدیوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ بھائیو میں نے تمہارے دشمن کو مار ڈالا اور تم گواہ ہو کہ میں مسلمان ہوں اور پھر کلمہ پڑھنے لگا اور کلمہ پڑھتے پڑھتے ہی اوس کی جان جسم سے پرواز کر گئی۔

یہ وقوعہ قتل لارڈ صاحب کا ایک ایسے ادنی قیدی کے ہاتھ سے ہونا ایک نمونہ قدرت الٰہی کا تھا اور نہ کہاں گنگو تیلی اور کہاں راجہ بھوج جب موت آئی تو صدہا محافظ کرچوں والے اور وہ ان گنت مسلح پولیس والے اور وہ بند و بست اور خبرداریاں کچھ کام نہ آئیں وہ جو چاہتا ہے سو کرتا ہے کسی کو اوس کی قدرت میں دخل نہیں۔ اس سے ایک مہینہ پہلے ایک

دوسرے پشاوری افغان نے چیف جسٹس نارمن صاحب کو اسی طرح کلکتہ میں خنجر سے مار ڈالا تھا۔ اب چاہیئے تھا کہ بعد ایسے واقعات وحشت اور عبرت انگیز کے انگریز لوگ پٹھانوں کے دشمن ہو جاتے۔ مگر میں نے دیکھا کہ پہلے سے دو چند پٹھانوں کی خاطرداری صاحب لوگ کرنے لگے۔ اور بجائے افغانوں کے بدنصیب وہابیوں کے اور زیادہ دشمن ہو گئے۔ تو میں نے سمجھا کہ مارنے والے سے ہر کوئی ڈرتا ہے اور غریب پر ہر کوئی شیر ہو جاتا ہے۔ اس سے زیادہ تعجب ہم کو اس وقت ہوا کہ جب بعد اس وقوعہ قتل لارڈ صاحب کے ملیٹ صاحب کے کمشنر پولیس کلکتہ اور لالہ الیشری پرشاد ہمارے پرانے دوست جو پہلے ہم غریبوں پر گپ شپ لگا کر بیرسٹر(؟) سے ڈپٹی کلکٹر ہو گئے تھے اور چند دوسرے نامی نامی افسر پولیس ہند سے یہ بیڑہ اٹھا کر پورٹ بلیر میں پہنچے کہ ہم اس مقدمہ میں وہابیوں کو ضرور پھنسا دیویں گے۔ مگر فضل الٰہی سے اس وقت پورٹ بلیر میں جنرل اسٹورٹ صاحب اور پرانحر(؟) صاحب وغیرہ ایسے ہوشیار اور بیدار مغز افسر ہمارے حالات اور چلن اور اس قتل کی کیفیت اور قاتل کے حالات سے بخوبی واقف موجود تھے۔ اس سبب سے اس مرتبہ الیشری پرشاد کا تشکار خالی گیا۔ ورنہ اس نے پورٹ بلیر میں پہنچتے ہی مثل سابق جھوٹے گواہ بنانے شروع کر دیے تھے۔ مگر جنرل اسٹوارٹ صاحب نے کہا کہ ہم ان وہابیوں سے بخوبی واقف ہیں اور ایسی ناجائز کارروائی جھوٹی شہادت تیار کرنے کی ہم اپنے علاقہ میں نہ ہونے دیں گے۔ اس سبب سے اس

رب العزت نے اس ناگہانی آفت سے بھی ہم کو محفوظ رکھا اور جو اصل مجرم تھا سزا پاگیا۔

باب (۲۹)

میں نے انگریزی سیکھ لی

پورٹ بلیر میں پہنچکر بھی تا وقت قتل لارڈ میو صاحب میں انگریزی سے واقف نہ تھا۔ سنہ ۱۸۷۲ء میں مسٹر سروپ نام ایک انگریزی خواں کی ترغیب سے ایک برس کی محنت میں مجھ کو انگریزی بولنے اور لکھنے پڑھنے میں خوب مہارت ہوگئی۔ چونکہ میں صاحب لوگوں کو اپنی فرصت کے اوقات میں فارسی۔ اُردو۔ انگریزی وغیرہ زبانیں سکھلایا کرتا تھا۔ ان کے ساتھ رات دن بات رہنے اور اُن کے سبقوں کو انگریزی میں ترجمہ کرکے سمجھانے اور اُن کے تحریری ترجموں کو صحیح کرنے کے سبب سے روز بروز میری استعداد انگریزی بڑھ چلی اور وہاں اس وقت تک بوجہ قلت کاتبوں کے ملازمان سرکاری کو عرائض و اپیل نویسی کی بھی ممانعت نہ تھی۔ پھر میں نے عرضی و اپیل بھی انگریزی زبان میں لکھنے شروع کردیے تھے۔ جس میں سوائے ترقی استعداد علمی کے ہزاروں روپیہ کا فائدہ بھی مجھ کو ہوا۔ یہی دو پیشے یعنی معلمی اور عرائض نویسی تھے جس میں مجھ کو سو روپیہ ماہوار سے کم نہ ملتا تھا۔ چونکہ میرے سوا وہاں کوئی مسلمان انگریزی خواں

نہ تھا۔ میں نے بڑے بڑے اہم مقدمات اہل اسلام میں اُن کو ہمیشہ بڑی بڑی مدد دی اور بڑی بڑی آفتیں اور الزام مسلمانوں پر سے ٹلوا دیے اس علم کے ذریعہ سے میں نے لوگوں کو بہت بڑا نفع پہنچایا جس کو مدت تک وہاں کے لوگ بھول نہ جاویں گے اور جن لوگوں کی پھانسیاں میری انگریزی دانی سے موقوف ہوئیں اور جان بچ گئی وہ تو تازیست اس احسان کو فراموش نہ کرینگے۔ اور یہ بات بھی ایک بڑے تعجب کی ہے کہ جس دن میری رہائی حکم پہنچکر مشتہر ہوا اُسی دن ملازمان سرکاری کو عرضیوں کا لکھنا بھی قطعی منع ہوگیا جس سے ظاہر ہوا کہ وہ اجازت بھی فضل الٰہی سے مثل دوسرے نعمائے الٰہی میری ہی ذات کے واسطے تھی۔ اب اگر کوئی ملازم سرکار بھولے سے بھی عرضی لکھ دیوے تو اُسی دن اپنے عہدے سے برخاست ہوجاوے۔ میں نے انگریزی سیکھ کر بڑے بڑے کتب خانوں کی سیر کی اور ہر علم و ہنر کی صدہا کتابیں دیکھیں دنیا کی کوئی زبان ایسی نہ ہوگی جس کی صرف نحو انگریزوں نے نہ لکھی ہو اور کوئی ملک ایسا نہ ہوگا جس کی تاریخ نہایت شرح و بسط کے ساتھ انگریزی زبان میں موجود نہ ہو۔ انگریزی زبان علم اور فنون کا گھر ہے۔ جو انگریزی نہیں جانتا وہ بلاشبہہ دنیا کے حالات سے بخوبی ماہر نہیں ہے اور بے انگریزی سیکھے پکّا دنیا دار و طرار نہیں ہوسکتا اور نہ سوائے اس زبان کے آجکل کوئی آلہ ندکماتے کا ہے مگر جس قدر یہ زبان دنیوی فوائد سے بھری ہوئی ہے اس سے زیادہ دین کے واسطے مضر بلکہ سم قاتل ہے۔ کوئی جوان لڑکا جس نے پہلے قرآن اور حدیث اور سلوک راہ نبوت میں خوب مہارت اور مشق نہ

کرے ہو اگر اس زبان کو سیکھ کر میری طرح ہر قسم اور ہر علم کی کتابیں کا مطالعہ کرے گا۔ ضرور پر لے سرے کا بے حد آزاد بد دین۔ بے ادب ملحد ہو جاوے گا بلکہ ایسا بے دین اور ملحد ہو گا جس کا سنورنا محال کیا بلکہ غیر ممکن ہے۔

باب (۳۰)

مغربی علوم کا ملحدانہ اثر

مگر فقط زبان انگریزی کا سیکھنا اتنا مضر نہ ہو گا۔ صرف کتب بعض علوم کی جو تعلیم (ابلیا) رکے خلاف ہیں ایک ایسے شخص کو جو اصول مذہب اسلام سے پوری طرح واقف نہیں ہے۔ ضرور بد دین اور ملحد کر دیویں گی اور ایسے شکوک اس کے دل میں پیدا ہو سکتے کہ تا مرگ جن کا نکلنا محال ہے اور بوجہ اسی مرض یا موتِ قلب کے ادائے عبادت میں بھی بہت سست ہو جاوے گا اور گو ظاہر میں وہ دعوٰی اسلام کا کرے۔ مگر فرداً اسلام سے اس کا نام خارج ہو جاوے گا۔ اب باوجود میری اس دینداری کے پہلے میرا ہی حال کس سن لیجیے کہ اس علم کی بدولت مجھ پر کیا کیا اثر ہوئے اسی علم کی بدولت میری نماز تہجد جس کا میں بچپن سے عادی تھا ایک قلم چھوٹ گئی تھی۔ رات کو حسب عادت خود میں جاگ پڑتا تھا۔ مگر دو بجے شب سے فجر تک چارپائی پر بیٹھا رہتا۔ ہرگز ہمت نہ ہوتی کہ اٹھ کر وضو کروں یا نماز پڑھوں۔ نہ جمعہ میں نہ جماعت میں شامل ہوتا نہ قرآن حدیث پڑھنے

اور سننے کو راغب ہوتا۔ ہر وقت انگریزی دیکھنے کو دل چاہتا کوئی گھڑی انگریزی کتاب پڑھنے سے خالی نہ رہتا۔ رمضان بھر میں چاہتا کہ تلاوت قرآن مجید کُھ کھول کر پڑھنے کو بھی بیٹھتا مگر پڑھا نہ جاتا۔ زبان پر قفل ہوجاتا جو دعا میں ہاتھ اُٹھا کر گھنٹوں تک مانگا کرتا تھا اب اس خواب خرگوش میں یہ حالت ہوگئی تھی کہ ہاتھ اُٹھا کر چار کلمہ بھی زبان سے ادا نہ ہوتے تھے ان ایام میں فقط فرض نماز پنجگانہ میں پڑھا کرتا تھا اور اس کا ادا کرنا بھی پہاڑ سے زیادہ سخت تھا اور قریب تھا کہ میں فرض نماز روزہ کو بھی جواب دے دوں اور اس کے چھوڑ دینے اور عبث ہونے کے دلائل بھی شیطان مجھ کو تعلیم کیا کرتا تھا۔ قرآن مجید بقدر تین پارہ کے مجھ کو حفظ یاد تھا۔ اس میں سے فقط اخیر کی چند سورتیں یاد رہ گئی تھیں اور باقی سب بھول گیا تھا۔ صدہا حدیثیں بھی مجھے حفظ یاد تھیں وہ بھی گویا دل سے کسی نے دھو ڈالی تھیں روز بروز ان بُرے عقائد اور زشت اعمال سے دل پر زنگ جمتا چلا جاتا تھا اور یہاں تک میرا دل روگی اور مریض ہوگیا تھا کہ اس پر نزع کی حالت تھی اور قریب تھا کہ دل مردہ ہوجاوے۔ اور طرہ یہ کہ اس حالت میں بھی شیطان ایسی ایسی وجوہات میرے دل پر نقش کیا کرتا تھا کہ میں اپنی اس حالت کو بھی سب سے بہتر جانتا اور سمجھتا تھا کہ فقط اقرار کلمہ لا اِلٰہ الّا اللّٰہ جنت میں جانے کو بس ہے۔ یہ تکالیف شرعی سب بے فائدہ ہیں۔ اور یہ بھی مجھ کو یاد ہے کہ گاہے گاہے انکار حق تعالیٰ جو شیطان کا اصل مطلب ہے وہ بھی مجھ کو القا کیا کرتا تھا۔ اور جب کبھی میں ملحد اور

دہریوں کے دلائل کو دیکھتا تو خواہ مخواہ دل اُن کو قبول کرنا چاہتا تھا۔ غرض مجھ میں اور کفر میں فقط چند انگشت کا فرق باقی تھا اور قریب تھا کہ میں اُس میں گر جاؤں اور یہ کیفیت کوئی ایک دو دن نہیں رہی مگر بوجہ اختیار ازلی یا نیک اعمال سابقہ کے میں اپنے کو ہالک اور گمراہ سمجھ کر یہ دعا بھی اکثر مانگا کرتا تھا کہ اے اللہ دائے مجھ اندھے کا ہاتھ پکڑ۔ آخر عنایت الٰہی اور تربیت واہبی نے پھر جوش مارا کہ دسمبر سنہ ۱۸۸۱ء میں یہ خاکسار یک بیک بعارضہ ایک سخت دنبل کے جو میری جانگھ پر نکلا تھا بیمار شدید ہوا جس سے کھانا پینا سب چھوٹ گیا ڈیڑھ مہینے تک اس سے سیروں پیپ جاری رہی۔ پانچ ہفتہ تک میں ہسپتال پڑا رہا۔ مرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہ رہا تھا۔ دوست آشنا سب مایوس ہو گئے تھے اس حالتِ مرض میں یہ خاکسار بہت گڑگڑایا اور اپنی گذشتہ حالت سے منفعل ہو کر پورا پورا تائب ہوا اور عہد کیا کہ اس مرض سے شفا پاتے ہی نماز تہجد بھی شروع کر دونگا اور قرآن اور حدیث کا مطالعہ بھی کیا کروں گا۔ مجھ کو اس وقت آثار قبولیت دعا کے محسوس ہو گئے اور اُسی گھڑی سے دل کی حالت پلٹ گئی آثار رحمت اور تربیت وہبی کے معلوم ہونے لگے بھولا ہوا قرآن اور حدیث اور ادعیات ماثورہ آپ سے آپ یاد ہونے لگ گئیں نماز اور دعا میں لذت اور حلاوت پانے لگا۔ تب میں سمجھا کہ یہ بیماری محض میری اصلاح اور تربیت کے واسطے ہی تھی ہسپتال سے واپس آ کر میں نے پھر از سر نو حدیث اور تفسیر پڑھنا شروع کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں میری حالت پہلے سے بھی اچھی ہو گئی۔ پھر میں نے خیال کر کے دیکھا کہ جس قرآن و حدیث کے پڑھنے سے طبیعت گھبراتی تھی اور زبان پر ثقل ہو جاتا تھا

اور ایک آیت پڑھنا بھی محال اور دشوار تھا وہ اب میں دن بھر بیٹھ کر پڑھتا ہوں اور اس کے پڑھنے سے طبیعت کو سرور اور دل کو لذت ہوتی ہے اور وہ دعا جس کے واسطے ہاتھ اُٹھانا محال تھا اب گھنٹوں مانگنے سے بھی طبیعت سیر نہیں ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ عبادت اور طاعت کی توفیق دینا بھی ایک اُسی کا فضل ہے جس کو چاہے دیوے اور جس کو چاہے نہ دیوے۔

باب (۳۱)

وہابیوں کے خلاف سرکار کا اعلانِ جنگ

جو آگ گرفتاری وہابیان ۱۸۶۳ء میں تھانیسر میں روشن ہوئی تھی اس کو روز بروز ترقی ہوتی گئی۔ خود ہمارے مسلمان اور ہندو بھائی بجائے بجھانے کے اس میں تیل اور تارپین ڈال کر بڑھاتے گئے آخر کو ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے تو ہزاروں من ولایتی بارود اور کروسین آئیل اُس میں ڈال دیا اور ہماری سرکار کو یہاں تک بھڑکایا کہ صادق پور پٹنہ کے وہ مکانات جن میں قافلہ کے لوگ ٹھہرا کرتے تھے معہ مکانات سکنی ان فرضی باغیوں کے کھدوا کر پھینکوا دیے مگر اس پر بھی سرکار کا دل ٹھنڈا نہ ہوا ۱۸۷۲ء کے اخیر تک پٹنہ اور بنگال میں سلسلہ گرفتاری بے گناہوں کو جاری رکھا۔ بے چارہ امیر خاں سوداگر چرم اور مولوی تبارک علی وغیرہ بہت سے آدمی پٹنہ میں پکڑ لیے۔ مولوی امیر الدین صاحب کو پٹنہ میں جا کر پکڑا اور ایک بوڑھے اور ضعیف شخص ابراہیم منڈل کو اسلام پور

میں اور اپنے معمولی اور پُرانے تیرہ اسنے گواہوں سے جو چاہا گواہی دلوا کر بیچارہ دل
کو کالے پانی کو روانہ کیا اور امیر خاں کی جائداد سے اپنا کل خرچہ پورا کر لیا اگرچہ
اس امیر خاں کو باوجود دائم الحبسی کے چار برس بعد گورنمنٹ نے معنت کا
احسان رکھ کر چھوڑ دیا اور جبہ جائداد منضبط سے واپس نہ دیا۔ اگر چار برس
پہلے الزام سے بری ہو کر چھوٹ جاتا تو اپنی جائداد منضبط بھی سرکار سے واپس
لے لیتا۔ اس تعصب اور معنت کے احسان کی طرف غور کر کے دیکھیے کہ اگر امیر
خاں مذکور ایسا بھاری مجرم تھا جیسا کہ ملاحظہ مثل مقدمہ سے ثابت ہے تو
ایسے بھاری مجرم کو چار برس بعد کیوں رہا کر دیا اور اگر وہ قصور وار نہیں تھا
جیسا کہ اُس کی جلدی رہائی سے ظاہر ہے تو کس واسطے اتنے بھاری اہتمام
سے اس کو قید کر کے اس کی جائداد ضبط کی تھی۔ مارچ ۱۸۷۲ء میں مولوی
تبارک علی صاحب اور مولوی امیر الدین صاحب بھی ہمارے پاس کالے پانی میں
پہنچے۔ مگر بوجہ اجرا قانون جدید سختی کے بے چاروں کو مدت تک سخت مشقت
کرنی پڑی لیکن بفضل الٰہی کچھ عرصہ کے بعد مولوی تبارک علی صاحب اسٹیشن
محرر اور مولوی امیر الدین صاحب معلم مدرسہ مقرر ہو گئے اور فقط دس برس قید
کاٹنے کے بعد بتوجہ و فیض بخشی لارڈ رپن صاحب بہادر ہمارے ہی ساتھ رہا ہو کر
اپنے اپنے گھر کو واپس آ گئے اور وہ اُن کی سختی مشقت قید کی کمی ایام قید
میں مجرا ہو کر ہمارے برابر ہو گئے جب دس برس تک بھی یہ سلسلہ گرفتاری
و رہائی بند نہ ہوا تو میں اپنے بداعمالی کو یاد کر کے بہت کڑھا کرتا تھا کہ یہ آگ
تیرے گھر سے نکلی اور تیری بداعمالیوں کے سبب سے دس برس سے تمام ہند

میں ہزارہا علماء رو بشر فاگر فتار پنجہ مصیبت ہیں۔ اگر مجھ سا منحوس بدبخت نہ پیدا ہوا ہوتا یا بچپن ہی میں مرجاتا تو یہ آفت اور مصیبت مسلمانوں پر نہ پڑتی۔ سه

چو از قومے یکے بے دانشی کرد
نہ کہ را منزلت ماند نہ مہ را

مارچ ۱۸۷۲ء میں اسی جہاز میں مولوی تبارک علی اور مولوی امیر الدین صاحب آئے تھے۔ میاں عبد الغفار کی بی بی اور اُن کے دو لڑکے بھی بحکم سرکار کالے پانی میں پہنچے۔ میاں عبد الغفار نے بذریعہ چیف کمشنر پورٹ بلیر کے سرکار سے درخواست کی تھی کہ میری بیوی اور بچے ہند سے بلا دیئے جاویں۔ صد آفرین بنگال گورنمنٹ پر کہ اُس نے اپنے خرچ سے ایسے باغی کے جورو اور بچوں کو کالے پانی میں پہنچوا دیا۔ سرکار کا یہ غصہ اور وہابیوں کو دھڑادھڑ دس برس تک دریا پار کرنے رہنے سے یہ غرض تھی کہ وہابیوں کا قلع قمع ہند سے کیا جاوے۔ اور ان کا بیج ناس ہو جاوے۔ سو میں نے کالے پانی سے واپس آ کر اس کے برعکس دیکھا۔ میری موجودگی ہند کے وقت شائد پنجاب بھر میں دس وہابی عقیدے کے مسلمان بھی موجود نہ تھے۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ کوئی گاؤں اور شہر ایسا نہیں ہے کہ جہاں کے مسلمانوں کا کم سے کم چہارم حصہ وہابی معتقد محمد اسمٰعیل کے نہ ہوں۔ یوماً فیوماً یہ فرقہ ایسا بڑھ رہا ہے جیسے ایک وقت پراٹسٹنٹ یک بیک تمام یورپ میں بڑھ گئے تھے۔ اور کوئی عذاب اور شکنجہ کشی اور سولی اور پھانسی اور جلاوطنی اور آگ میں

زندوں کو جلا دینا اُن کی ترقی کو مانع نہ ہوا تھا بلکہ تجربوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی فرقے کی ترقی کو مانع ہونا اور اس میں تشدد کرنا سبب سے قوی سبب اس کی ترقی و جاہ و جلال کا ہوتا ہے۔ دور کیوں جاؤ تھوڑے دن کی بات ہے کہ جب سکھوں کا فرقہ نکلا اور اُس کی ترقی شروع ہوئی تو مغلوں نے کس قدر اُس کے نیست و نابود کرنے کے علاج کیے مگر خدا کے بڑھائے کو کون روک سکتا ہے۔ آخر وہی سکھ ہیں جنہوں نے پشاور سے دہلی تک مغلوں کی سلطنت چھین لی اور سو برس تک بڑے جلال اور اقبال سے راج کیا اور ملک دکن میں مرہٹوں کا یہی حال سمجھو جتنا روکا اتنا بڑھتے ہی گئے۔ خداوند تعالیٰ کی حکمت بالغہ میں دست اندازی کرنا اپنے کو ہلاک کرنے کا سامان ہے۔

باب (۳۲)

اولاد

۱۲ اپریل ۱۸۷۲ء کو میری بڑی لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کے عقیقے کا کھانا بھی بڑی دھوم دھام سے ہوا تھا اور مولوی تبارک علی صاحب اور مولوی امیر الدین صاحب جن کو وہاں صرف پندرہ دن ہوئے تھے اس عقیقے میں شامل تھے۔ اس کے بعد میری دوسری لڑکی پیدا ہوئی۔ مارے محبت کے اس کا نام میں نے اپنی ہندوستان کی لڑکی کے نام پر رکھا تھا۔ اس کے عقیقے کا کھانا بھی ویسا ہی دھوم دھام سے۔ اس کے بعد پھر تیسرا بچہ محمد صادق ۲۶ نومبر

سنہ ۱۸۷۵ء کو پیدا ہوا اس کا نام بھی میں نے اپنے ہندوستان کے لڑکے کے نام پر رکھا تھا۔ اس لڑکے کی پیدائش کے وقت ایک عجیب اسرار الٰہی جو غالباً میری تسلی کے واسطے تھا ظاہر ہوا جس دن یہ لڑکا کالے پانی میں پیدا ہوا اسی دن بلکہ اُسی وقت میرا بڑا لڑکا محمد صادق پانی پت میں فوت ہو گیا جب اس کی وفات کی خبر مجھ کو پہنچی میں نے اُس کا نعم البدل اس کے ہم نام اپنے پاس دیکھ کر صبر و شکر کیا اور اس کی والدہ کو بھی اس کا نعم البدل اور ہم نام مل جانے کی خبر لکھ بھیجی۔ جب میں نے انگریزی سیکھی تو ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی کتاب اور انڈین مسلمان کے دیکھنے کا بڑا شوق ہوا بمشکل تمام سات روپیہ قیمت کو کلکتہ سے ایک جلد طبع دوم کی میں نے منگوائی اور اس کا مطالعہ کیا تو ایک مقام پر دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے بڑی لمبی چوڑی تمہید باندھ کر لکھا ہے کہ اگر بہ نظر ترحم خسروانہ سرکار کبھی ان وہابیوں کو کالے پانی سے رہائی بھی دیدے تو یہ لوگ اپنی رہائی کو من جانب اللہ جل جلالہ سمجھ کر ہند کو واپس آنے کے بعد بھی اور زیادہ موجب تخریب اور بربادی سلطنت انگریزی کے ہونگے پہلے ہی سے سرکار کا غصہ دیکھ کر ہم رہائی سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ یہ مضمون زہر آمیز دیکھ کر رہی سہی امید بھی جاتی رہی۔ اور اس کے بعد جب گورنمنٹ ہند نے قواعد رہائی قیدیان دوائم الحبس بعد انقضائے بیس برس تاریخ قید سے جاری کیے تو اس میں بھی ہمارا مقدمہ رہائی سے مستثنےٰ ہو گیا تھا اور ان سب سے بڑھ کر ناامیدی اس وقت ہوئی تھی کہ جب سنہ ۱۸۸۱ء میں خود ڈاکٹر ہنٹر صاحب مؤلف کتاب مذکور گورنر جنرل ہند کے صاحب مقرر ہو گئے۔ تب ہم نے جانا کہ جنکی کتاب

کو ایک دفعہ مطالعہ کر کے بڑے سے بڑا دانا انگریز ساری عمر کے واسطے ہمارا دشمن جانی ہو جاتا ہے۔ تو اُن کی موجودگی محکمہ گورنری میں رسائی کیا نہ معلوم ہم پر اَور کیا آفت لا دے گی۔

باب (۳۳)

رہائی کی امیدیں

لیکن بااین ہمہ ۱۸۸۱ء سے یہ بات غیب سے دل میں ملہم ہوتی تھی کہ ہم جلد رہا ہو کر ہند کو جانے والے ہیں۔ میں نے مولوی انوار الاسلام اور حافظ محمد اکبر پانی پتی کو خطوط بھی لکھ دیے تھے کہ میں جلد ہند کو آیا چاہتا ہوں۔

جون ۱۸۶۷ء میں یہ خاکسار میر منشی ضلع جنوبی پورٹ بلیر کا مقرر ہو کر انڈیمن کو بدل گیا اور اپنے پرانے آقا اور شاگرد میجر پرارتھر و صاحب ڈپٹی کمشنر کا میر منشی ہوا جہاں میں اپنی رہائی اور روانگی کی تاریخ تک برابر اسی عہدہ پر رہا۔ اس صاحب نے میری اعانت سے پورٹ بلیر کی آئین کی کتاب بھی بنائی جو بعد منظوری گورنمنٹ سے مشتہر بھی ہوئی۔ اس کا اردو ترجمہ بھی خود میں نے ہی لکھا تھا اور وہ بھی چھپ چکا ہے۔ میری چودہ برس کی عمدہ کارگزاریوں اور جاں فشانیوں پر نظرِ توجہ ہو کر اسی صاحب کی تحریک سے بڑی دھوم دھام سے ایک لمبی چوڑی گورنمنٹ ہند کو میری رہائی کی رپورٹ بھی ہوئی تھی۔ اس رپورٹ پر رہائی کیا ہوتی تھی۔ مگر سکرٹری ہوم ڈیپارٹمنٹ اس قدر ناراض ہوا کہ

کہ تاحیات میری رہائی غیر ممکن ہو گئی اور دوبارہ کسی افسر کو میری رہائی کی رپورٹ کرنے کا حوصلہ باقی نہ رہا بسنہ ۱۸۸۱ء کے اخیر میں مولوی عبد الفتاح صاحب پسر مولوی عبد الرحیم اپنے والد کی ملاقات کے واسطے پورٹ بلیر میں پہنچے اور کوئی ایک برس تک وہاں رہ کر پھر ملک ہند کو واپس چلے گئے۔ اس وقت مولوی عبد الرحیم صاحب نے ایک مسودہ عرضی اپنی خاص رہائی کے واسطے لکھوا کر اپنے بیٹے کی معرفت سے ہند کو روانہ کیا تھا کہ جس سے وہاں ایک عرضی اس مسودہ کے موافق اُن کی بیوی کی طرف سے تیار ہو کر حضور گورنر جنرل ہند اپریل ۱۸۸۲ء میں پیش ہوئی جس میں یہ بیان تھا۔ کہ

میرے شوہر پر دراصل کچھ بھاری قصور ثابت نہ ہوا تھا، اس واسطے بروقت تجویز مقدمہ سشن جج اور نیز چیف کورٹ نے یہ ارشاد کیا تھا کہ بشرط نیک چلنی بعد چودہ برس کے عبد الرحیم کے مقدمہ میں نظر ثانی کی جاوے گی۔ سو اب تو اٹھارہ برس ہو گئے۔ میں نے اس کی جدائی میں بہت تکلیف اُٹھائی اور وہ بھی بہت بوڑھا ہو گیا۔ سرکار اب اس کو بعد ملاحظہ مثل کے رہائی بخشے"

بعد ملاحظہ اس عرضی کے لارڈ رپن صاحب بہادر نے سوائے طلبی مثل مقدمہ کے پنجاب اور بنگال گورنمنٹ سے رائے بھی طلب کی کہ اگر ان وہابیوں کو رہائی دے جاوے تو کچھ قباحت تو نہیں ہے۔ بعد آنے آرائے لوکل حکام کے مقدمہ مذکور تا شروع سال آئندہ کے ملتوی ہو گیا۔ چونکہ یہ عرضی مولوی عبد الرحیم صاحب کے واسطے تھی اور دراصل ان کا قصور بھی نہ تھا فقط فرضی مقسدوں کی

اولاد و تصور ہو کر زبردستی قید کیے گئے تھے اس واسطے ہم لوگوں کو فقط اُن کی رہائی کا انتظار تھا ۔ اُس ذریعہ سے اپنی رہائی کا تو مجھ کو گمان بھی نہ تھا ہمارے اخیر وقت میں سب بنگال کورٹ کے صاحب لوگ پورٹ بلیر میں جمع ہو گئے تھے ۔ اس سبب سے اُن کو تعصب بھی ہم لوگوں سے زیادہ تھا سنہ ۱۸۸۱ء میں بوجہ پیری اور ضعف کے مولوی احمداللہ صاحب جن کی عمر اس وقت اسی سال کے قریب تھی قابل ترحم دشمنان ہو گئے تھے ۔ اُنھوں نے اپنی یہ حالت زار دیکھ کر اپنے بیٹے مولوی محمد یقین صاحب سے جو کلکتہ میں مقیم تھے بلا کر ملاقات کرنی چاہی ۔ حالانکہ موجب قاعدہ عام پورٹ بلیر کے یہ ملاقات جائز اور درست تھی اور سینکڑوں بیٹے اپنے باپوں سے آکر مل گئے ۔ مگر فقط اس سبب سے کہ احمداللہ وہابی ہے ۔ ان کی یہ درخواست نامنظور ہو گئی ۔ اس مابین میں متمنا میں نے بھی ایک درخواست کی تھی کہ محمد رشید میرے حقیقی برادر زادہ کو میرے پاس پورٹ بلیر میں آنے کی اجازت بخشی جاوے ۔ حالانکہ یہ درخواست بھی برابر قابل منظوری کے تھی ۔ مگر فقط اس سبب سے کہ سائل وہابی ہے وہ بھی نامنظور ہو گئی ۔

باب (۳۴)

حضرت مولانا احمداللہ صاحب کا انتقال

جب مولوی احمداللہ صاحب نہایت کمزور اور چار پانچ مہری ہو گئے تو مولوی

عبدالرحیم صاحب نے ان کی حالت اور کمزوری بیان کر کے حکام کو لکھا کہ میں ان
کا رشتہ دار قریب ہوں۔ ویرپیس کوئی ان کی خبر گیری کرنے والا نہیں ہے اس
واسطے امیدوار ہوں کہ ان کو ابرڈین میں میرے گھر پر رہنے کی اجازت بخشی جاوے
یہ درخواست بھی جس کے پڑھنے سے سنگدل کا دل نرم ہو جاوے فقط اس وجہ سے
نامنظور کی گئی کہ احمد اللہ اور عبدالرحیم دونوں وہابی ہیں ان کے ساتھ ایسی رعایت
اور مہربانی نہیں ہو سکتی۔ جب مولوی صاحب موصوف کا حال نہایت بتلا ہوا
اور صاحب لوگوں کے تعصب کا یہ حال تھا تو مولوی عبدالرحیم صاحب نے یہ
اجازت چاہی کہ مجھ کو رات کو ویرپیس ان کے پاس رہنے کی اجازت بخشی جاوے
سو یہ درخواست بعد بڑی دریافت اور بحث کے منظور ہو کر مولوی عبدالرحیم صاحب
کو ۲۰ نومبر کو شام کے وقت ایک تحریری پاس ملا اور اسی رات کو واقعہ
۲۱ نومبر ۱۸۸۱ء مطابق ۲۸ محرم ۱۲۹۸ھ شب دوشنبہ کو بوقت ایک
بجے رات کے مولوی صاحب موصوف کی روح اس جسم قید درقید کو چھوڑ کر
فردوس بریں کو پرواز کر گئی۔ مولوی صاحب کی وفات کے وقت عبدالواحد نام
ایک ملازم مولوی صاحب موصوف کا ان کے پاس ہسپتال میں حاضر تھا مرنے
کے وقت مولوی صاحب جو پہلے چند روز سے عالم بے ہوشی میں تھے آنکھ کھول
کر لا الٰہ الا اللہ مالک الملک آخری کلمہ فرمایا اور سرد ہو گئے۔ ۲۱ تاریخ کو بوقت
آٹھ بجے فجر کے بمقام ابرڈین ہم لوگوں کو اطلاع ہوئی۔ ہم سب آدمی بمعہ
بہت سے دوستوں کے نو بجے فجر کے ویرپیس پہنچ گئے۔ میں کچہری ضلع
میں منشی تھا اور بلا اجازت صاحب ضلع کے جا نہیں سکتا تھا اور بوجہ تعصب حکام

اجازت ملنی محال تھا اور مجھ کو اُن کی تجہیز و تکفین میں شامل ہونا ضرور ہوا اس واسطے میں بہ توکل مولا بلا اجازت ویپر چلا گیا۔ اور ایک عرضی اطلاعی بھیجدی کہ میں احمداللہ صاحب کی تجہیز و تکفین میں شامل ہونے کو ویپر جاتا ہوں۔ آج کی میری غیر حاضری معاف فرمائی جاوے۔ ہم نے ویپر پہنچ کر آخری درخواست حکام انگریزی سے یہ بھی کر دیکھی کہ ہم کو اجازت بخشیں کہ مولوی احمداللہ صاحب کی لاشکو ابرڈین میں سے جا کر ان کے اگلے بھائی مولوی یحییٰ علی صاحب کی قبر کے متصل دفن کر دیویں۔ یہ درخواست بھی نامنظور ہو گئی تو لاچار بعد غسل و نماز کے ان کی لاش کو لے جا کر گورغریباں واقعہ ڈنڈاس پینیٹ میں جو ویپر سے تھوڑی دور ہے دفن کر دیا۔

اپنے بیست سالہ تجربات میں میں نے یہ بھی اکثر دیکھا کہ جب کبھی کسی افسر یا حاکم کی مدد پر میں نے بھروسہ کیا اور خدا کی طرف توجہ نہ رکھی تو میرے رب نے اسی خیالی معاون کے ہاتھ سے مجھ کو ایذا پہنچوانے کا بندوبست کر دیا۔ مگر جب میں نے اُس خیال سے تائب ہو کر اُس ذات وحدہٗ لاشریک کی طرف رجوع کیا تو پھر اس غالب زبردست حکمت والے نے میری مدد کی اور آفت سے نجات بخشی اور جو لوگ پہلے سے میرے دشمن تھے اور جن سے میں ڈرتا تھا اُن کو میری مدد اور پشت پناہ پر کھڑا کر دیا۔ خداوند تعالیٰ کو کسی طرح بھی منظور نہیں ہے کہ میں اس کی طرف سے توجہ پھرا کر غیراللہ کی طرف رجوع کروں۔ وہ رب العزت ہمیشہ مجھ کو مار مار کر اور تنبیہہ کر کے شرک سے بچا کر اپنی طرف رجوع کرا تا رہا ہے۔

ستمبر ۱۸۸۲ء میں لاچار ہو کر میری ہندوستان کی بیوی نے پانی پت سے

مجھ کو لکھا کہ میری بڑی لڑکی جوان ہو گئی۔ تمہاری رہائی کی امید پہ آج تک اُس کی شادی کا ارادہ بھی نہیں کیا تھا۔ اب بظاہر کوئی شکل تمہاری رہائی کی ایسی جلدی نہیں ہے۔ اس واسطے اگر اجازت دو تو کسی جگہ اس کی شادی کا بندوبست کیا جاوے اور اس کار خیر کے واسطے کچھ خرچ ضروری بھی بھیج دو۔ میں نے ۱۴ اکتوبر ۱۸۸۲ء کو گویا تاریخ حکم رہائی سے اڑھائی ماہ پہلے بقدر تین سو روپیہ کے نقد اور زیور و پارچہ پانی پت کو بھیجدیا۔ اور اپنی بیوی کو لکھا کہ تم کسی دیندار مسلمان سے اس لڑکی کی شادی کردو۔

باب (۳۴)

فرمان رہائی

جب میرا بھیجا ہوا اسباب اور خط پانی پت میں پہنچا تو بوجہ میرے نہ شامل ہونے کے اس شادی میں بجائے خوشی کے غم ان لوگوں کو ہو گیا اور میری بیوی اور لڑکی رو رو کر یہ دعائیں کرتی تھیں کہ اے قادر کریم اس کو بھی اس شادی میں شریک کر۔ بظاہر کوئی سامان میری رہائی کا اس وقت نہ تھا۔ مگر اس مستجاب الدعوات نے وہ فریاد ان کی اسی دم قبول کر لی۔ ۳۰ دسمبر ۱۸۸۲ء کو بلا عرضی اور درخواست اور بلا سعی سفارش میری رہائی ہو کر مجھ سے پہلے پانی پت میں میری بیوی کو اطلاع ہو گئی۔ اب جو میری رہائی کا زمانہ قریب آیا تو میں سر انگبوٹ میں اپنی رہائی کا منتظر رہتا تھا اور اس ملک کے تحفے تحائف جمع کر کے چلنے کو تیار بیٹھا

گو بہت سے لوگ جو میرے مقدمہ اور جواب محکمہ گورنری سے واقف تھے میری اس تیاری کو دیکھ کر مجھ پر ہنستے تھے۔ آخر ۲۲ جنوری ۱۸۸۳ء روز دوشنبہ کو مہارانی نام اگنیوٹ یہ حکم لے کر پہنچا کہ جس قدر آدمی بجرم بغاوت وہابی کیس میں قید ہیں سب یک قلم رہا کر کے ہند کو روانہ کر دیئے جاویں۔ ان کی لوکل گورنمنٹ ان کی سکونت کے واسطے بندوبست معقول کرے گی۔ جب حکم وہاں پہنچا تو میں اور مولوی عبدالرحیم صاحب و میاں عبدالغفار و مولوی تبارک علی و مولوی امیر الدین اور میاں مسعود کل ۶ نفر اس مقدمہ کے وہاں موجود تھے سو سب کی رہائی ہو گئی۔ جب یہ حکم بذریعہ اخباروں کے ہند میں مشہور ہوا تو بوجہ حمیت اسلامی جملہ انجمن و مجلس ہائے اسلام نے اس ترحم خسروانہ لارڈ رپن صاحب بہادر بذریعہ میموریل کے ان کا شکریہ ادا کیا۔ جیسے ہماری گرفتاری پر گھر گھر تمام ہند میں واویلا مچ گیا تھا۔ ویسے ہی گھر گھر خوشی اور شکریہ کی مجلسیں منعقد ہوئیں اور لارڈ رپن صاحب کی مداحی اور شکرگذاری سے ہماری زبان اور قلم کبھی قاصر نہ ہو گی جس کی اولوالعزم اور ترحمانہ پالیسی سے ہم کو ہند کا دیکھنا پھر نصیب ہوا۔

اسی عرصہ میں میرے ایک پرانے شاگرد کپتان ٹمپل صاحب نے جو بروقت میری رہائی کے خاص کیمپ انبالہ میں مجسٹریٹ تھے میری رہائی کی خبر پا کر مجھ کو لکھا کہ اگر تم میرے پاس رہنا قبول کرو تو میں گورنمنٹ سے اجازت لے کر تم کو اپنے پاس بلا لوں۔ میں نے اس پیام کو تائید غیبی سمجھ کر فوراً قبول کر لیا۔ تب انہوں نے گورنمنٹ پنجاب سے اجازت حاصل کر کے اور خود میرے ضامن ہو کر کل شرائط نگرانی وغیرہ میرے اوپر سے اٹھوا دیں۔ جب میری رہائی

کا حکم پورٹ بلیر میں آیا تو میری بیوی خورد دائم الحبس تھی اور اس وقت اس کو فقط
چودہ برس قید میں ہوئے تھے اس واسطے اسی اگنبوٹ میں گورنمنٹ کو اطلاع
دی گئی کہ جب تک محمد جعفر کی بیوی رہا نہ ہوگی وہ ہند کو نہیں جاسکتا اور اپنی رہائی
کا حکم پاکر اسی وقت میں نے بھی گورنمنٹ پنجاب کو لکھا کہ یہاں نہایت عمدہ میرا
گھر موجود ہے اور میں سو روپیہ ماہوار کا نوکر ہوں اور ہند میں نہ میرا گھر ہے اور نہ
مکان اور غالباً حکام پنجاب میرے وہاں آنے پر مجھ سے ناحق چھیڑ چھاڑ کیا کریں گے
اور مجھ کو قیدی سابق سمجھ کر کوئی نوکری وغیرہ بھی نہ دویں گے اس واسطے میں
امیدوار ہوں کہ وقتاً فوقتاً ہند میں جاکر اپنے بال بچوں کو دیکھ آیا کروں گا۔ گو چیف
کمشنر صاحب پورٹ بلیر نے بعد اظہار میری نیک چلنی اور عمدہ کارگذاری کے
پھر سفارش بھی کی تھی کہ محمد جعفر کے واسطے کسی خاص طور پر سرکار سے اندازہ مقرر
کیا جاوے تب ملک ہند میں اس کی گذران ہوسکتی ہے۔ لیکن گورنمنٹ
پنجاب نے میری اس درخواست کو نامنظور کرکے جبراً مجھ کو اور میرے بال بچوں
کو ہند میں بلایا مگر یہ وعدہ کیا کہ یہاں پنجاب میں اس کو نوکری مل سکتی ہے۔

۴/ مارچ سنہ ۱۸۸۳ء کو مولوی عبدالرحیم و میاں عبدالغفار و مولوی امیرالدین
صاحب و تبارک علی روانہ ہند ہوگئے اور بخیریت تمام اپنے اپنے گھر پہنچ گئے۔
اس کے بعد ۲۸/ اپریل سنہ ۱۸۸۳ء کو میاں مسعود بھی چلے گئے فقط میں اکیلا
بانتظار حکم رہائی اپنی بیوی کے رہ گیا۔ یکم مئی سنہ ۱۸۸۳ء کو میری بیوی کی رہائی
بھی آگئی۔ مگر اس وقت میری بیوی کو چھ مہینے کا حمل تھا اور سمندر میں موسم طوفان
کا شروع ہوگیا تھا اس واسطے میں نے تا ماہ نومبر سنہ ۱۸۸۳ء مطابق محرم ۱۳۰۱ھ

پورٹ بلیر میں رہنے کی اجازت حاصل کرلی۔ اس مہلت میں میں نے اپنے گھر کا اسباب فروخت کرنا شروع کیا اور اونے پونے پر جیسے ہوا بیچ ڈالا اکتوبر ۱۸۸۳ء میں میں نے چاہا کہ میرا گھر جو بی جس میں میں رہتا تھا مسجد بنا کر فی سبیل اللہ وقف کر دیا جاوے اور سب مسلمان جو بغیر مسجد کے تکلیف اُٹھاتے تھے اس وقت سے بہت خوش ہوتے۔ مگر میجر ہرچ صاحب ڈپٹی کمشنر نے ازراہ تعصب کے یہ رپورٹ کردی کہ یہ شخص وہابی ہے اور یہ مسجد بھی وہابیوں کے قبضہ میں رہے گی۔ اس واسطے یہاں مسجد بنانے کی اجازت نہ دی جاوے پس وہی تعصب وہابیت کا اس کار کو بھی مانع ہوا۔

باب (۳۶)

پورٹ بلیر پر آخری نظر

جیسا کہ میں اپنے پورٹ بلیر میں داخل ہونے کا ذکر کر کے بعد حالات متعلقہ جغرافیہ و قدیم باشندگان بیان کیے ہیں۔ اس مقام پر اپنے پورٹ بلیر کے روانہ ہونے سے ذکر کر کے پہلے قوانین و اوضاع و اطوار ساکنان پورٹ بلیر کو ذکر کر کے اس جزیرے سے کوچ کروں۔ یہ جزیرہ مثل دوسرے اضلاع کے ایک مستقل لوکل گورنمنٹ ہے۔ صاحب چیف کمشنر انڈمان کو اختیار رہے کہ جو ایکٹ چاہیں یہاں جاری کریں اور جس حاکم ماتحت کو جو چاہیں اختیارات دیوانی یا فوجداری کے عطا کریں۔ یہاں کا چیف کمشنر اس قسمت کا سشن جج بھی

ہے۔ یہاں کے چیف کمشنر کا حکم ناطق ہے۔ اس کا کچھ اپیل نہیں ہوسکتا صرف
مقدمات پھانسی میں گورنر جنرل اجلاس کونسل کی منظوری لی جاتی ہے باقی
اور سب امور دیوانی اور فوجداری میں یہاں کا چیف کمشنر ہائی کورٹ بھی ہے یہاں سے
کوئی جہاز یا مسافر یا کوئی مال و اسباب بلا اجازت صاحب موصوف کے اس
ٹاپو سے جا سکتا ہے۔ یہاں کا چیف کمشنر صدر مقام روس میں رہتا ہے۔
اس کی تنخواہ تین ہزار روپیہ ماہوار ہے۔ یہ قسمت دو ضلعوں میں تقسیم ہے۔
ایک ضلع جنوبی میں جس کا صدر مقام ابرڈین ہے۔ دوسرا شمالی جس کا صدر
مقام چاتھم ہے۔ دونوں صاحب ضلعوں کے ماتحت بہت سے اسسٹنٹ
اور اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کام کرتے ہیں۔ اس سٹلمنٹ کے دستور العمل
اور قواعد ابتدا ۱۸۵۸ء سے اب تک وقتاً فوقتاً بہت بدلتے رہے ہیں اور
ہمیشہ روبترقی و بہتری میں اور ہر کہ آمد عمارت نو ساخت پر عمل کیا جاتا ہے
یہاں قریب دو ہزار قیدی کے سالانہ ہند سے نئے قید ہو کر آتے ہیں اور اس
وقت قریب چودہ ہزار قیدی کے یہاں موجود ہیں۔ جہاز سے اترنے کے بعد
ایک مہینہ بعد ان کی بیڑی کٹ جاتی ہے۔ یہاں کوئی جیل نہیں ہے۔
بارکوں میں یہ قیدی ماتحت قیدی افسروں کے رہتے ہیں۔ دن میں مثل
جیل ہائے ہند قیدی سخت مشقت کرتے ہیں۔ دو وقت ان کو پختہ کھانا ملتا
ہے۔ رات کو انہیں بارکوں میں سو رہتے ہیں۔ ان بارکوں کی حفاظت پر سوائے
قیدی افسروں کے اور کوئی پولیس یا جنگی پلٹن نہیں ہے۔ غرض قیدیوں کی
حفاظت اور نگرانی اور ان کو کام پر تقسیم کرنا اور ان سے کام کروانا یہ سب

پرانے قیدی افسروں کے سپرد ہے جو سر پر لال دوپٹہ اور گلے میں چپڑاس ڈال کر رہتے ہیں اور حسب مدارج اپنے عہدوں کے سوا خوراک کی نقد تنخواہ بھی سرکار سے پاتے ہیں۔ ان نئے قیدیوں کو بھی بشرط نیک چلنی تین چار برس کے بعد کسی قدر نقد تنخواہ ملنے لگ جاتی ہے اور بعد تنخواہ پانے کے یہ نئے قیدی بھی پٹے والے افسر مقرر ہو جاتے ہیں۔ دس برس نیک چلن رہنے کے بعد ہر ایک مرد قیدی مستحق ٹکٹ پانے کا ہو جاتا ہے اور ٹکٹ یہ ہے کہ قیدی آزاد ہو کر بارک سے نکل جاتا ہے۔ اور شہر اور بستیوں میں رہ کر جو چاہے پیشہ کرے اور کھاوے کماوے۔ قریب پچاس ساٹھ کے قیدیوں کی بستیاں آباد ہیں جن میں قیدی ہی نمبردار اور چوکیدار و پٹواری ہیں۔ جو لوگ کھیتی کرنے کا ٹکٹ لیتے ہیں اُن کو گاؤں میں نوتوڑ زمین بقدر ۱۵ ایگڑ کے مفت سرکار سے مل جاتی ہے اور تین برس تک محصول معاف رہتا ہے اور کبھی کبھی کچھ تقاوی اور بیل اور خوراک سے بھی سرکار مدد دیتی ہے۔ جو حلوائی یا نانبائی یا نائی وغیرہ پیشوں کے ٹکٹ لیتے ہیں اُن کو بھی کبھی کبھی کچھ مدد ملتی ہے۔ اس ٹکٹ پانے کے بعد قیدی آزاد ہو جاتا ہے۔ جو چاہے سو کرے۔ جو عورتیں قید ہو کر آتی ہیں وہ ایک علیحدہ جزیرہ میں ماتحت قیدی عورات افسروں کے بارک میں رہتی ہیں۔ حتی المقدور جب تک وے بارک میں رہتی ہیں زناکاری کی پوری پوری روک رہتی ہے۔ عورتوں کو بھی اپنی بارک کے اندر سینا سلائی وغیرہ کی مشق کرنی ہوتی ہے۔ عورتوں کو پانچ برس کے بعد ٹکٹ آزادی کا مل جاتا ہے لیکن جوان عورتیں

جب تک شادی نہ کرلیویں ٹکٹ پاکر اپنی بارک سے باہر نہیں جانے پاتیں بعد انقضائے پانچ برس مدت قید کے عورت کو اختیار ہے جس مرد سے چاہے شادی کر لیوے۔ مردوں میں سوائے ٹکٹ والوں کے مشقتی بارک یا شی قیدی شادی نہیں کر سکتے۔ جس مرد کو شادی کرنا منظور ہوتا ہے وہ عورتوں کے ٹاپو میں جاکر کسی عورت کو پسند کر کے کچھ اُن کو دے دلا کر راضی کر لیتا ہے اور جب میاں بیوی راضی ہو جاتے ہیں۔ تو اُن کو ایک اقرار نامہ اپنی رضامندی اور محبت و موافقت سے مل کر رہنے کا روبروئے صاحب کمشنر بہادر کے لکھ دینا پڑتا ہے اس کے بعد بیوی میاں کے گھر چلی آتی ہے ٹکٹ والے قیدی ملک سے اپنے بال بچوں کو بھی بلا سکتے ہیں۔ جب کوئی قیدی بیس برس تک نیک چلن رہے تو پھر اُس کی رہائی بھی ہو جاتی ہے اور اس کو بعد رہائی کے اختیار ہے چاہے اس ملک میں رہے چاہے اپنے وطن اور زاد و بوم کو چلا آوے۔ بعد ٹکٹ پانے کے قیدیوں کو اختیار ہے کہ اپنی کمائی حلال سے چاہیں لاکھوں روپیہ جمع کر لیویں۔ مگر ٹکٹ سے پہلے بلا اطلاع و اجازت حکام وہ کچھ اپنے پاس رکھ سکتا ہے اور نہ کسی دوسرے کے پاس جمع کر سکتا ہے۔ قیدی جب تک بارک میں رہ کر مشقت کرتے ہیں ایک برس یا تین مہینے میں ایک خط اپنے گھر کو بھیج سکتے ہیں اور ایک خط آمدہ ہند پا سکتے ہیں مگر ٹکٹ والے ہر مہینے میں ایک خط بھیج سکتے ہیں۔

پورٹ بلیر ایک ایسی جگہ ہے جہاں چینا۔ برہما۔ ملائی سنگلی جنگلی بکوباری

کشمیری۔پشتونی۔ایرانی۔مکرانی۔عربی۔حبشی۔پارسی۔پرتگیز۔امریکن۔انگریز۔ڈچ
فرنچ وغیرہ اور ہندوستان کے سب ضلعوں اور شہروں کے آدمی مثل بھوٹیا
نیپالی۔پنجابی۔سندھی۔گجراتی۔ولس والے۔ہندوستانی۔اہل برج۔
آسامی۔تہلی۔بند۔بلکھنڈی۔اوڑیا۔تیلنگی۔مرہٹے۔کرناٹکی۔مدراسی۔ملیالم
گونڈ۔بھیل۔بنگالی۔گول سنتھال وغیرہ سب موجود ہیں۔جب یہ لوگ
آپس میں مل کر بیٹھتے ہیں تو اپنی اپنی زبان میں بات چیت کرتے ہیں۔مگر
بازار اور کچہریوں کی زبان یہاں بھی ہندوستانی ہے۔ہر ملک کا آدمی یہاں
آکر آپ سے آپ ہندوستانی زبان سیکھ لیتا ہے کیونکہ بلا اس زبان
جاننے کے یہاں آدمی کا گذارہ نہیں ہو سکتا۔میرے خیال میں پردۂ زمین پر
کوئی دوسرا مقام ایسی مختلف قوموں سے آباد نہ ہوگا۔قریب چالیس مختلف
قوموں کے جو ایک دوسرے کی زبان نہیں سمجھ سکیں یہاں موجود ہیں۔شان الٰہی
سے یہاں ایک ایسا میلہ جمع ہوا ہے۔شاید آج تک پردۂ زمین پر ایسا مجمع
کہیں نہ جمع ہوا ہوگا جب کوئی بنگالی مرد اور مدراسی عورت یا بھوٹیا مرد اور
پنجابی عورت وعلیٰ ہذا القیاس آپس میں شادی کرتے ہیں اور میاں بیوی کی
اور بیوی میاں کی بات نہیں سمجھتے اور بروقت تکرار اور لڑائی باہمی کے
دونوں اپنی اپنی زبان میں ایک دوسرے کو گالی دیتے ہیں اور فریق ثانی کچھ
نہیں سمجھتا تو عجیب کیفیت ہوتی ہے۔یہاں جب کسی تقریب شادی پر
دعوت اور نیوتہ ہو کر ملک ملک کی عورتیں جمع ہو کر اپنی اپنی بولی میں گاتی
اور اپنی وضع پر ناچتی کودتی اور اپنے اپنے ملک کا لباس پہنتی ہیں تو وہ تماشا

بھی قابل دید ہے۔

یہاں قوم کی پابندی جو ہندوستان کی پُرانی بیماری ہے یک قلم ترک ہو گئی مسلمان مرد خواہ کسی ذات کا ہو ہر مسلمان عورت سے بلا روک ٹوک شادی کر لیتا ہے۔ اسی طرح ہندوؤں میں بھی ہندو ہونا کافی وافی ہے ایک ذات کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ برہمنوں کے گھروں میں پاسنیں اور جاٹوں کے گھروں میں برہمنیاں موجود ہیں۔ یہاں ٹھگ وہ ٹھگ ہیں کہ دل کو ٹھگ لیویں اور چور وہ چور ہیں کہ آنکھوں کا کاجل چُرا لیں۔ یہاں شعبدہ باز بازیگر بہروپیے۔ بھنڈیلے۔ نقال۔ ہیجڑے۔ نٹ۔ طوائف۔ میراسی۔ گوّیے۔ قوال اور ہر فن کے نیک و بدمعاش سب موجود ہیں۔ یہاں اچھے اور برگوں کا بھی یہ حال ہے کہ کوئی ٹاپو مولوی اور پنڈت اور درویش و بھائی جی وغیرہ سے خالی نہیں ہے۔ یہاں مدراسی اور بنگالی سوکھی مچھلی بھی بڑے مزے سے کھاتے ہیں۔ اس سوکھی مچھلی کو جس میں سڑے ہوئے چمڑے کی سی بو ہوتی ہے عمدہ عمدہ گوشت پر یہ لوگ سبقت دیتے ہیں۔ یہ بہما اور چینیا پتی بھی کھاتے ہیں۔ مچھلیوں کو پیپوں میں بھر کر سڑاتے ہیں جب اُن میں کیڑے پڑ جاتے ہیں تو اُن کیڑوں اور سڑی مچھلیوں کو کوٹ کر نپتی بنتی ہے اور اس میں ایسی بدبو ہوتی ہے کہ ہم لوگ ہوا کے رُخ ایک میل تک بھی اس کی بدبو سہار نہیں سکتے۔ مگر یہ بہما اور چینیا اس کو بجائے گرم مصالح کے ہر عمدہ کھانے پر بُرا بُرا کر بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ جب ان کو نپتی مل گئی تو گویا دنیا کی نعمت مل گئی۔ یہاں کسی طوائف یا کسبی کی عام دکان نہیں ہے۔ مگر اکثر

عورتیں ایسی بے حیا اور فاحشہ ہیں کہ کسبیوں کو اُن سے شرم آتی ہے۔
بعد تجربہ کے مجھ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اپنی اپنی وضع اور بولی اور لباس و خوراک ہر کسی کو پسند ہے۔ جنگلی اپنے جنگل میں رہنے اور ننگ دھڑنگ پھرنے اور کیڑے مکوڑے کھانے کو ہماری قبا اور دوشالوں اور پلاؤ اور قلیہ پر سبقت دیتے ہیں۔ ہمارے کھانوں سے اُن کو قے لگتی ہے ہمارے کپڑے پہننے سے اُن کو ایسی تکلیف ہوتی ہے جیسے ہم کو ننگا رہنے سے۔ بر ہما چینا ہمارے گھی کے پکوان کو دیکھ کر اپنی ناک بند کر لیتے ہیں۔ ہمارے قلیے اور قورمے اور پلاؤ کے بھبکار سے عربوں کا دماغ پراگندہ ہو جاتا ہے۔ انگریز لوگ ہمارے عطر کو نہیں سونگھ سکتے۔ غرض بچپن سے زبان اور ناک جس چیز کا عادی ہو گیا ہے وہی اُس کو پسند ہے۔

باب (۳۷)

سوادِ ہند کو روانگی

جب میں ۹ ماہ نومبر ۱۸۸۳ء کو سوار ہونے کو تھا تو اُس وقت میں نے ایک عام دعوت کر کے اپنے سب دوستوں کو مدعو کیا تھا۔ اس دعوت کی فہرست! ... کی پیشانی پر لکھا تھا کہ یہ خاکسار بعد ایک قیام اٹھارہ برس کے بظاہر ہمیشہ کے واسطے ہندوستان کو جانے والا ہے امید ہے کہ آج میرے کل عنایت فرما جن کے نام نامی درج ذیل ہیں قدم

رنجیدہ فرما کر خاکسار کے ساتھ آخری ماحضر تناول فرما کر مشکور و ممنون فرما دیں گے جس کسی کو یہ دعوت پہنچی بلا عذر دوڑا چلا آیا۔ یہ دعوت میرے گھر میں میرے سوار ہونے سے فقط ایک گھنٹہ پہلے دوپہر کے وقت ہوئی تھی۔ میری جدائی سے حاضرین کے منہ پہ رو رو اشک جاری تھیں۔ ہر چند بہت لوگوں نے اس جلسہ مفارقت میں کچھ سپیچ (تقریر) کرنا چاہا۔ مگر دو لفظ کہنے کے بعد ہر کسی کی ہچکی بندھ جاتی تھی۔ میں خود بھی جوایک تقریر طویل نصیحت آمیز کرنے کو تھا ایک لفظ بھی ادا نہیں کر سکا۔ اور دل کی دل ہی میں رہ گئی۔

اس دن اتفاق سے جمعہ تھا۔ بعد تناول طعام مولوی لیاقت علی صاحب کے ساتھ آخری نماز جمعہ پڑھ کر گاڑیاں تیار کھڑی تھیں۔ میں معہ لواحقین خود سوار ہو کر جزیرہ روس کو چلا آیا وہاں میرے ہمراہ بھی صدہا مرد وعورت مجھے رخصت کرنے کو آئے تھے جب بوقت چار بجے شام کے میں معہ لواحقین خود مقام جزیرہ روس سے کشتی پر سوار ہو کر اگبنوٹ کو چلا تو بیشمار خلقت خوشی اور رنج سے زار زار روتی تھی۔ اس وقت میرے ساتھ ایک میری بیوی اور آٹھ بچے معہ میرے کل دس نفر تھے اور قریب آٹھ ہزار روپیہ کے میرے قبضہ میں جائداد تھی۔ اس وقت میں اپنی اس حالت کو کہ جب میں ۱۱ جنوری ۱۸۶۶ء کو اسی گھاٹ میں ایک لنگوٹی باندھ کر تن تنہا جا رہا تھا اور اب ایسی رنج اور محن کی جگہ سے معہ دس نفر اور آٹھ ہزار کی جائداد کے واپس جاتا ہوں یاد کر کے قدرت خدا پر تعجب کرتا تھا کہ حکام دنیا نے مجھ کو بے خانماں کر کے سخت سزا کے واسطے یہاں بھیجا تھا مگر اُس حاکم

حقیقی نے کہ در اصل جس کے ہاتھ میں ساری دنیا اور مافیہا کا انتظام ہے دشمنوں
کے ہاتھ سے میرے ساتھ کیسے سلوک کرائے اور مجھ ایک فرد واحد سے دس نفر
میرے اہل بیت کے کر کے کس اعزاز اور اکرام سے مجھ کو واپس لے چلا۔ اور
چونکہ یہ جہاز جس پر میں سوار ہونے کو تھا اُسی جگہ کھڑا تھا جہاں وہ جمنا جہاز
جو مجھ کو لے کر آیا تھا کھڑا ہوا تھا اور اس دن میں فجر کے وقت جمنا جہاز سے
اُترا تھا اور آج شام کے وقت مہارانی اگنبوٹ پر سوار ہونا تھا اس واسطے
مجھ کو اٹھارہ برس تک اس جزیرے میں رہنا ایک خواب و خیال معلوم
ہوتا تھا اور ایسا خیال میں آتا تھا کہ میں آج فجر کو جمنا جہاز سے اُترا تھا اور
آج ہی سوار ہو گیا۔ میں نے اپنے چلنے سے چند روز پہلے بقدر راہ خرچ کے
اپنے پاس رکھ کر باقی کل نقد روپیہ کو جو اُس وقت میرے پاس موجود تھے
حسب سہام شرعی اپنی دونوں حویلیوں پر تقسیم کر کے ہر ایک کے حوالہ کر دیئے
اور آپ اس دولت دنیا سے سبکدوش ہو گیا۔ اب میری ذاتی جائداد
سوائے چند کتابوں اور چند جوڑے کپڑوں کے اور کچھ نہیں ہے جس قدر
نقد و جنس و زیور وغیرہ میری جس حویلی کے قبضہ میں ہے وہ انہیں کا مال
ہے۔ دوسری حویلی کا اس میں کچھ دعویٰ نہیں۔ قریب پانچ بجے شام کے ہم
نے اگنبوٹ مہارانی نام پر سوار ہو کر ایک پھلکہ پر اپنا ڈیرہ کر لیا۔ ہم لوگوں کے
سوا اُس جہاز پر اور بھی بہت سی رہائی والی عورتیں اور مرد اور نیز بہت سے
مسافر یورپین اور ہندوستانی سوار تھے۔ موسم نہایت عمدہ اور سمندر بالکل
قریب ٹھنڈا تھا موج اور تلاطم کا نام نہ تھا۔ اس دن محرم کی بھی دسویں تاریخ

اور صدی چودھویں شروع ہوگئی تھی۔ بوقت غروب آفتاب کے جہاز کا لنگر اُٹھایا گیا اور ہم لوگوں نے چشم پرآب ایک کے بعد ایک جزائر انڈمان کو خیرباد کہہ کر پیچھے چھوڑنا شروع کیا۔ اب رات ہوگئی تھی چاندنی رات میں سمندر کی لہروں کی کیفیت بڑی آب دکھلا رہی تھی۔ دوسرے دن ہمارا جہاز جزیرہ کوکو میں پہنچا۔ دو روز چلنے کے بعد کسی قدر پانی بھی برسا جس سے مسافروں کو کچھ تکلیف ہوئی۔ مگر جب جہاز تھوڑا آگے بڑھ گیا تو تکلیف رفع ہوگئی اور پانی بھی بند ہوگیا علی رضا نام ایک مشہور تاجر نے اس جہاز پر ہماری بڑی خاطر تواضع کی۔ دونوں وقت عمدہ کھانا گوشت مچھلی، چاء۔ کافی۔ برف اور قسم قسم کے میوے اور مٹھائیاں ہمارے واسطے ہر دم موجود رہتی تھیں۔ بڑے آرام و راحت سے یہ سفر کٹا جس وقت مارے برسات کے سب مسافر پانی میں تر بتر کانپ رہے تھے۔ اس وقت نورالدین نام ایک رہائی والے کی عورت کو درد زہ شروع ہوا۔ اور اس حالت میں کہ زچہ پانی میں شور بور کانپ رہی تھی اُس کو بلوٹھا بچہ پیدا ہوا اور وہ وہاں اچھوانی کہاں اس دن مشکل سے زچہ کو دال بھات ملا ہوگا مگر اس کو یا اس کے بچہ کو کچھ مرض ہوا نہ بیماری دونوں تندرست تھے اور جب جہاز کلکتہ میں جاکر لنگر انداز ہوا اس بچہ نوزائیدہ کی عمر صرف دو دن کی ہوگی اس کی والدہ معہ اپنے بچہ کے ذندناتی ہوئی جہاز سے اُترہی۔ اور پھر کلکتہ سے اُس کے مرد نے ایک ٹکٹ سیدھا لاہور تک کا لیا۔ اسی حالت میں زچہ خوش و خرم روانہ ہوگئی۔ اور بچہ کا نام بوجہ سمندر میں پیدا ہونے کے سمندر ہی رکھا گیا تھا۔ خیر بفضل الٰہی ہم چار دن اور چار رات کے سفر کے بعد ۱۳ نومبر

سنہ ۱۸۸۳ء مطابق ۱۴ محرم سنہ ۱۳۰۱ھ داخل کلکتہ ہوئے اور وہاں چینا بازار میں
جاکر مولوی عبدالرؤف صاحب برادر مولوی عبدالرحیم صاحب کے مکان میں
رہ کر تیسری شب کو بوقت ۹ بجے رات کے ہم بسواری ریل کلکتہ سے ہند کو
روانہ ہوگئے اور کلکتہ سے الہ آباد اور وہاں سے کانپور اور کانپور سے علی گڈھ اور
علی گڈھ سے سہارنپور اور وہاں سے انبالہ تک منزل درمنزل ٹکٹ لیتے ہوئے
۲۱ نومبر سنہ ۱۸۸۳ء کو بوقت ۹ بجے شب کے اسٹیشن کیمپ انبالہ پر پہنچ گئے
کلکتہ سے دو سپاہی ایک نائیک ہمارے اہل وعیال اور مال کی حفاظت
کے واسطے بطور اردلی انبالہ تک ہمارے ساتھ آئے تھے۔ انڈمان میں بارہ ماہ
موسم معتدل رہنے کے سبب سے میرے بال بچوں نے اس سے پہلے کبھی
جاڑا گرمی نہ دیکھا تھا۔ اسی واسطے آخر نومبر میں کلکتہ سے آگے بڑھ کر ان کو
کسی قدر سردی سے تکلیف بھی ہوگئی۔ مگر جس جس قدر موسم سرما اور سرد ملکوں کا
قریب ہوتا گیا اسی قدر ان کی طبیعت بھی اس کی عادی ہوتی گئی۔ بیس برس
کے بعد اس زندان قفس اولادِ آدم سے ہر موسم میں جگہ بہ جگہ کا ہوا پانی
اور طرح بہ طرح کے موسمی میوے وغیرہ سے میرے بال بچوں کی طبیعت
نہایت شاداں اور فرحاں تھی۔ اسی سبب سے پورٹ بلیر سے انبالہ تک
دن عید اور رات شب برات کی کیفیت رہی ایک دن وہ تھا کہ ہم ۲۲ فروری
سنہ ۱۸۶۵ء کو جیل انبالہ سے زیور آہنی وجوگیا نہ لباس وگلیم سیاہ سے
آراستہ پیراستہ ہو کر زیر حراست پولیس انبالہ سے مغرب کو روانہ ہوئے تھے
اور بڑے مصائب کھینچتے ہوئے ۱۱ جنوری سنہ ۱۸۶۶ء کو گیا۔ ماہ بعد تاریخ فرنگی

انبالہ سے کالے پانی میں داخل ہوئے تھے اور یا یہ دن ہوا کہ ہم بڑی آسائش سے دریائی سفر کو طے کرکے کلکتہ میں پہنچے اور وہاں سے ایک خاص درجہ ریل میں بلا شرکت احدے سوار ہوتے ہوئے دس آدمیوں کے عیال اور نقد و جنس کو ساتھ لے کر مثل نوابوں کے عمدہ سلطانی بانات کا لباس پہنے ہوئے پورٹ سے چل کر گیارہویں دن مشرق سے آکر داخل انبالہ ہوئے۔ میری اس کیفیت اور شان اور اولاد اور مال و منال کو دیکھ کر خلقت کو تعجب اور متعصبوں کو افسوس اور میرے ہوا خواہوں کو خوشی تھی اور راہ میں بھی جہاں جہاں میں اُترتا ہر شہر کے مسلمان میرا نام سُن کر میری ملاقات کو دوڑے چلے آتے اور میری کیفیت کو دیکھ کر یہ کہتے تھے کہ اللہ جل جلالہ بڑا قادر ہے وہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ راہ میں یا انبالہ میں جو جو آدمی میرے مقدمہ اور حالات سے واقف تھے وہ سب یہی کہتے تھے۔ کہ تیرا اس ملک میں اس شان سے آنا مُردے کے زندہ ہونے سے کم نہیں ہے جو اس کرامت کو دیکھ کر خدا تعالیٰ کی قدرت پر ایمان نہ لاوے البتہ وہ دل اور آنکھ دونوں کا اندھا ہے۔ ذرا غور تو کیجیے کہ یہاں میری ایک بیوی چھوٹی تھی کالے پانی میں مجھ کو دو بیویاں عنایت ہوئیں۔ یہاں میرے دو بچے چھوٹے تھے، وہاں آٹھ بچے مرحمت ہوئے اور سامان اور اسباب نقد و جنس ہر ایک چیز کا نام بنام نعم البدل اس قید خانہ میں دے کر مجھ کو واپس لے آیا جیسے کہ ایوب علیہ السلام کے مقدمہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَذِكْرَىٰ لِلْعَابِدِينَ دیا ہم نے اُس کو کنبہ اُس کا اور زیادہ دیے اُس کو اس کنبے کے ساتھ مثل اس کی

یہ ایک رحمت تھی ہماری طرف سے اور ایک نصیحت تھی واسطے عابدوں کے۔"
یہ آیت میرے حق میں بھی از سرتا پا صادق آئی۔ مگر اس میرے قصہ سے جو ایک
بڑی روشن آیت آیات الٰہی سے ہے صرف عابدین اور صالحین ہی کو عبرت
اور نصیحت ہو سکتی ہے منکرین اور منافقین کو نہیں۔

باب (۳۸)

وطن پہنچ کر

دوسرے دن فجر کو ہم شہر انبالہ میں پہنچے اور وہاں کے حکام ضلع سے
اجازت لے کر کیمپ انبالہ میں اپنے آقائے قدیم کپتان ٹمپل صاحب کی خدمت
میں حاضر ہوتے۔ جب میں کپتان ٹمپل صاحب کے بنگلہ پر گیا وہ دوڑ کر میرے
ملنے کو باہر نکل آئے اور اندر لے جا کر مجھ کو مونڈھے پر بٹھایا اور بہت تسلی و
تشفی کی اور فرمایا کہ آج کی تاریخ سے تم بیس روپیہ ماہوار تنخواہ تم کو اپنے
نج سے دیا کریں گے۔ اور تمہاری نوکری کے واسطے بھی جلد اچھا بندوبست
ہو جائے گا۔ کپتان ٹمپل صاحب کی سعی سے صاحب لوگ مجھ سے پڑھا
کرتے تھے۔ میرے یہاں پہنچنے کے سال بھر بعد تک ٹمپل صاحب نے یہاں
رہ کر مجھ کو قریب پچاس روپیہ ماہوار کے بندوبست کر دیا تھا۔ اپریل
۱۸۸۶ء سے یعنی اس کے چلے جانے کے بعد سے وہ بندوبست ٹوٹ
گیا۔ بلکہ اس وقت سے نگرانی پولیس کی میرے اوپر مقرر ہو کر اکہ علی سختی

بڑھ گئی۔

بعد پہنچنے انبالہ کے جب میں نے اس سفر بیست سالہ کو ہند سے پیمائش کر کے دیکھا تو انبالہ سے چل کر براہ لاہور و بمبئی کالے پانی تک اور پھر کالے پانی سے براہ کلکتہ انبالہ تک قریب سات ہزار میل کی مسافت ہوئی۔ اور باستثنائے بعض شمالی اضلاع ہند کے قریب تمام کے کل ہند کا طواف ہو گیا۔ صدر بازار کیمپ انبالہ میں ایک مکان کرایہ کا لے کر مع عیال و اطفال خود اس میں آباد ہو گیا۔ جب میں سب اسباب ضروری خانہ داری کا خرید چکا تو ۱۱ر دسمبر ۱۸۸۳ء کو ایک ہفتہ کی رخصت لے کر براہ ریل اول دہلی گیا اور وہاں ایک شب رہ کر دوسرے دن شام کو یہ سواری یکہ پانی پت پہنچا اور اتفاق حسنہ سے پورے بیس برس کے بعد وہی ۱۳ر دسمبر میرے پانی پت سے دہلی کو بھاگ جانے کی تاریخ تھی کہ جب میں ۲۰ برس پہلے تھانیسر سے سوار ہو کر بوقت صبح اپنی بیوی کو پانی پت میں چھوڑ کر اور پانی پت سے یکہ پر سوار ہو کر دہلی کو بھاگا تھا جب میں پانی پت کی جانب مشرق و جنوب کی سڑک پر شام کے وقت دہلی سے پانی پت کو چلا آتا تھا تو وہی سڑک اور وہی موسم اور وہی تاریخ دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آج فجر میں اپنی بیوی اور بچوں کو چھوڑ کر دہلی کو گیا تھا اور آج ہی واپس آ گیا۔ خیر مغرب کی نماز کے بعد میں بمقام پانی پت اپنے گھر میں پہنچا۔ میری بیوی اور لڑکے مجھ کو دیکھ کر باغ باغ ہو گئے۔ بعد از فراز جس لڑکے کو میں نے چند مہینے کا چھوڑا تھا اب

اس کو بیس برس کی عمر میں دیکھا ۔ پانچ روز وہاں ٹھہرنے کے بعد پھر میں براہ کرنال تھانیسر آیا اور ایک شب چند گھنٹے تھانیسر میں ٹھہر کر پھر انبالہ کو لوٹ آیا ۔

جس جس شہر میں یہ عاجز گیا ہزاروں خلقت اس شہر کی میرا آنا سُن کر میرے دیکھنے کو آتی تھی اور تھانیسر میں تو ایسا اژدہام خلائق کا ہوا کہ میں اُس رات کو سونے بھی نہیں پایا ۔ بلکہ بسبب تنگی وقت کے بہت سے آدمی میری ملاقات سے محروم رہ گئے ۔ اور انبالہ میں چند مہینوں تک منزلوں سے لوگ میرے دیکھنے کو آتے رہے اور میرا مُنہ دیکھ کر خدا کی قدرت پر تعجب کرتے تھے ۔ شہر تھانیسر کو میں نے دیکھا کہ ۱۲ ار دسمبر ۱۸۶۳ء میں اس سے میرا قدم اُٹھانا تھا کہ اس پر زوال شروع ہوا ۔ اس بیس برس میں ساتویں حصہ سے بھی کم اُس کی آبادی رہ گئی مکانات گر کر راہ کوچے بند ہو گئے اور بجائے آدمیوں کے بندر اور چیٹیوں نے اُس میں اپنا دخل کر لیا ۔ لیکن خداوند کریم نے مجھ کو قرائن سے معلوم کرا دیا کہ یہ شہر عنقریب بڑی دھوم دھام سے پھر دوبارہ آباد ہو گا ۔ جب میں تھانیسر میں گیا تو میں نے اپنے مولد اور مکان مسکن پر جا کر مالک مکان سے جو اس میں آباد تھا یہ عاجزی تمام بہ اجازت چاہی کہ اپنے زنانوں کو کسی ایک کمرے میں علیحدہ کر کے مجھ کو اس مکان کے اندرونی قطعات کی زیارت کر لینے دو ۔ مالک مکان نے مجھ کو شناخت کر کے بڑے اخلاق سے اندر آنے کی اجازت دیدی

مجھ کو اس جگہ بھی قدرتِ الٰہی یاد آ گئی کہ جس مکان کو میں نے خود ہزاروں روپیہ خرچ کر کے تعمیر کیا تھا اب اُس کے اندر میں قدم نہیں رکھ سکتا اب میں امید کرتا ہوں کہ خداوند کریم اس ہدیہ اور نذر مکان کو ریا سے پاک کر کے قبول کر لیوے اور اس کا بدل کوئی مکان آخرت میں عطا کرے اب بعد اختتام اس کیفیت بیست سالہ کے بعض انعاماتِ الٰہی کو ذکر کر کے میں اس کتاب کو ختم کر دیتا ہوں۔

باب (۳۹)

خاتمہ

ایک ان میں سے یہ ہے کہ تاریخ قید سے جہاں جس جگہ میں رہا کیسے اپنے سایۂ عاطفت اور انعام میں مجھ کو رکھا۔ بیس برس میں ایک دن بھی مشقت کرنے کی نوبت نہ آنے دی اور کالے پانی میں میرے پہنچنے سے پہلے میری راحت کے سامان جمع کر رکھے تھے جہاں پر اُٹھتے ہی کے دن مجھ کو بڑا اعمدہ دار سرکار بنا دیا اور ہمارے کالے پانی میں پہنچنے سے فقط چار پانچ برس پہلے اُن نئے جزائر کا آباد ہونا اور اس سبب سے قوانین پورٹ بلیر کا قیدیوں کے واسطے نرم اور آسان مقرر ہونا اور ہمارے وہاں داخل ہونے کے وقت تک جنگل کی صفائی اور مہلک امراض کا قطعی دفعیہ ہو کر اس کا رشک کشمیر ہو جاتا اور پھر بیس برس تک بڑے

آرام اور عیش سے ہمارا وہاں رہنا اور ایسی جاتے نا امیدی سے باوجود تعصب حکام باشان وشوکت مال واہلاد صحیح و تندرست جیسے گئے تھے اس سے بہتر حال میں واپس آجانا۔ دوسرے اس ملک ہند میں ہمارے واپس پہنچنے کے بعد بھی باوجود سخت تخالف اور تباین کے آب وہوا پورٹ بلیر انڈمان اور ہندوستان کے میرے بال بچے اب تک صحیح وسالم اور تندرست ہیں۔ بلکہ اور دو بچے اس ملک میں آکر بھی میرے گھر میں پیدا ہوئے، حالانکہ اور دوسرے بچے جو کالے پانی سے یہاں واپس آئے۔ بہت ہی کم اس ملک میں زندہ رہے اور جب کوئی وبا یا متعدی مرض اس ملک میں پھیلتا ہے تو یہ چھاؤنی یا میرا گھر ہمیشہ اس سے محفوظ رہتا ہے اور میرے یہاں پہنچنے کے بعد بارش و باراں اور ارزانی غلہ بھی بہ نسبت سنین ملحقہ کے نہایت کثرت سے ہوئی۔ تیسرے جب بعد بیس برس کے اس جزیرہ سے میری رہائی ہوئی تو بہ تقاضائے بشریت مجھ کو یہ فکر تھا کہ اس وقت میں ہندوستان میں جاکر کہاں رہوں گا اور کیا کروں گا۔ کیونکہ بمقام تھانیسر میرے کل مکانات سکنی و اراضی و زمینداری وغیرہ ضبط سرکار ہو کر نیلام ہو چکی تھی اور حکام ضلع انبالہ ہمارے اکثر وہی پرانے رفیق تھے جنہوں نے ہم کو کالے پانی بھیجا تھا مگر ایسے وقت تردد اور انتشار میں اس قادر کریم اور مقلب القلوب نے کپتان ٹپیل صاحب مجسٹریٹ کیمپ انبالہ میں بلایا اور اس میری شرح ورود واپسی میں کہ جب ہر ایک انگریز میری صورت سے متنفر تھا بطور وکیل مدتوں میری طرف سے

لوٹا رہا اور روزگار وغیرہ کی طرف سے بالکل مجھ کو فارغ البال کر دیا۔ اور جب ٹمپل صاحب بوجہ تبدیلی خود اس ملک سے چلے گئے تو اس کے بعد خود بخود بلا میری درخواست کے ریاست ارنولی میں میرا روزگار حوالہ مقرر کرا دیا کہ جہاں میں اب تک بڑے آرام اور آسائش سے نوکر ہوں۔ اور یہ بھی اُس کا شکر ہے کہ یہ دونوں سبب میرے روزگار اور آسائش کے غیر مسلمانوں کے ہاتھ سے ہوئے کہ جہاں سوائے تائید غیبی کے کوئی ظاہری گمان ہمدردی قوم وغیرہ کا بھی موجود نہیں ہے۔ ہمارے ہندوستان میں واپس آنے کے بعد جو نگرانی پولیس وغیرہ ہمارے اوپر مقرر ہوئی تھی اول تو اس کو بذمہ داری وضمانت خود کپتان ٹمپل صاحب نے میرے اوپر سے اُٹھوا دیا تھا۔ اور بعد تبدیلی کپتان ٹمپل صاحب کے محض بہ تائید غیبی بلا سعی سفارش کسی بشر کے وہ احکامات نگرانی وغیرہ بذریعہ چٹھی نمبری ۱۸۸ مورخہ ۶ فروری ۱۸۸۸ء منجانب سکرٹری گورنمنٹ پنجاب بنام صاحب کمشنر قسمت دہلی میرے اوپر سے اُٹھوا دیے گئے۔ حالانکہ میرے پانچوں رفقا جیل یعنی مولوی عبدالرحیم وغیرہ پر سے وہ احکامات نگرانی ابھی تک بھی نہیں اُٹھائے گئے۔ بفضل الٰہی اب میں قطعی آزاد ہوں۔ جہاں چاہوں رہوں اور جو چاہے روزگار کروں۔ لبغرض ورت کاروبار ریاست میں لاہور اور کلکتہ کے مابین میں ہمیشہ دورہ سیر میں رہتا ہوں۔ بلکہ عنقریب ایک مقدمہ ریاست ارنولی کی پیروی میں میرا ولایت جانے کا بھی ارادہ ہے جہاں ان شاء اللہ تعالیٰ ڈاکٹر ہنٹر صاحب

اور دوسرے موافق اور مخالف صاحب لوگوں سے ملاقات کرکے اس قدرت الٰہی کا من سے اعتراف کراؤں گا۔ جب میں کچہری انبالہ کے اس مقام کو دیکھتا ہوں کہ جہاں مجھ کو پھانسی کا حکم سُنایا گیا تھا اور یا جب جیل انبالہ کے پاس سے نکلتا ہوں جس میں ڈیڑھ برس تک قید رہا تھا اور یا ان سڑکوں پر گزرتا ہوں کہ جہاں سے بعد سُنانے حکم پھانسی کے ہم کو جیل خانہ کو لے گئے تھے۔ تو قدرتِ الٰہی کو دیکھ کر میرا دل ہل جاتا ہے اور یہ خیال ہو جاتا ہے کہ بروز سُنائے جانے حکم پھانسی کے کس کو گمان تھا کہ پھر میں اس کرۂ عدالت میں یا ان مقاموں پر کبھی کھلا ہوا بے روک ٹوک پھروں گا ہرگز کسی بشر کو گمان کیا اس کا وہم بھی نہ تھا۔ یہ فقط اُس رب قدیر کا کام ہے کہ یہ سارے تماشے گرم سرد زمانے کے دکھلاکر اس اپنے نالائق مفرور غلام کو پھر جیسے کا جیسا اس ملک میں لاکر پہلے سے دہ چند لوگوں کی آنکھوں میں معزز اور ممتاز کر دیا ہے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

اس قصہ کو ایک کہانی یا ایک مثل ایک فوجداری کا ترجمہ ہی نہ سمجھو بلکہ یہ قصہ ایک بڑی آیت آیاتِ الٰہی سے ہے۔ اس کو بار بار چیت ملاحظہ کرکے عبرت پکڑنا چاہیے۔ خداوند تعالےٰ اپنی کتاب مجید میں ایسے ہی قصہ کی نسبت فرماتے ہیں۔ لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب (ترجمہ) تحقیق ان کے قصوں میں ایک عبرت اور نصیحت ہے عقلمندوں کے واسطے ٭ اور تعمیل حکم ربانی و اما بنعمۃ ربک فحدث ٭ (ترجمہ) اپنے رب کے انعاموں کو لوگوں میں بیان کرو ٭

میں نے جملہ انعامات ظاہری اور باطنی خداوند عالمین جل جلالہ وعم نوالہ کو بقدر اپنی سمجھ کے بطور اختصار کے لکھ کر پبلک کے سامنے پیش کر دیا ہے اب یہ آخری دعا ہے کہ خداوند کریم اس محنت اور مشقت اور ان تکالیف قید کو ریا سے پاک کر کے قبول فرماوے۔ اور ناظرین کو اس قصہ سے عبرت اور نصیحت ہوتی رہے۔ آمین۔ اللّٰھم انا نجعلك فی نحورھم و نعوذبك من شرورھم۔

حالات

مولانا یحییٰ علی صاحب

از سیرت سید احمد شہید مؤلفہ سید ابوالحسن علی ندوی

مولانا عبدالرحیم صاحب صادق پوری نے درمنثور میں آپ کے جیل کے جو حالات لکھے ہیں ان سے آپ کی عظمت اور اس جماعت کی سیرت واخلاق کا اندازہ ہو سکتا ہے :

ہمارے مولانا کا صبر واستقلال اس وقت کا قابلِ دید تھا۔ شب کو آپ اور میں ایک جگہ رہتے آپ پچھلی شب حسب معمول نماز و دعا وغیرہ میں مشغول رہتے اور اکثر اشعار عاشقانہ دیوان شاہ نیاز وحافظ وغیرہ کے پڑھتے اور ایک وجدی کیفیت آپ پر طاری ہوتی۔ ہم لوگ سب ہوش باش ہوتے اور آپ نہایت مسرور وخوش۔ آپ کے چہرہ بشرہ سے کچھ بھی آثار رنج ومحن کے پائے نہیں جاتے۔ ذکر اللہ سے رطب اللسان رہتے آپ اکثر اس شعر کو بھی جو حضرت خبیب صحابی رضی اللہ عنہ کا ہے مترنم ہوتے۔

فلست ابالی حین اقتل مسلما
علی ای شق کان فی اللہ مصرعی
وذلک فی ذات الالٰہ و ان یشاء
یبارک علیٰ اوصال شلو ممزعی

میرے پاس ایسے الفاظ نہیں ہیں کہ جن سے آپ کی اس کیفیت وجدی و صبر و شکر کا ایک شمہ بیان کر سکوں اور اس کی تصویر کھینچکر ہدیہ ناظرین کرنا تو یہ امر محال ہے۔

چنانچہ ہمارے اس قیدِ تنہائی میں پھر تخمیناً دو ڈھائی مہینے رہے اور نہایت صبر و استقلال کے ساتھ ان ایام کو آپ نے لبسر کیا۔ اور جب سپاہی پہرے والا یا اور کوئی سپاہی یا قیدی آپ کے سامنے آجاتا، ہندو یا مسلمان سب کو آپ توحیدِ باری کا وعظ سناتے اور عذاب سناتے اور آخرت و قبر وغیرہ سے ڈراتے۔ الغرض ایک عجیب طرح کا فیض آپ کا اس قیدِ تنہائی میں بھی جاری ہے سپاہی جو پہرے کے واسطے آتا وہ سکھ ہو یا گورکھا اور مسلمان نہ ہوتا آپ اس آیتِ کریمہ کا وعظ سناتے ءاربابٌ متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار۔ سپاہی کھڑا روتا۔ اور جب اس کے پہرے کی بدلی ہوتی تو اس صحبت کو چھوڑ کر جانا پسند نہیں کرتا۔ میں کچھ لکھ نہیں سکتا کہ کس قدر فائدہ اس وقت پہرے والوں کو پہنچا اور کتنے موحد ہو گئے۔ اور کتنے آبائی دین کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے۔ لایعلمہ

الا اللہ۔

آپ کا فیض کبھی کسی حالت میں بند نہ ہوا۔ آپ کا جسم مبارک قیدی تھا مگر آپ کے دل و زبان آزاد تھے۔ ان پر کسی کی حکومت نہ تھی۔ بجز اس حاکم حقیقی کے۔ اگر دو منٹ کے واسطے بھی کوئی آدمی سامنے آجاتا، آپ امر معروف و نہی عن المنکر بجالاتے۔ آپ حمد و ثنائے باری میں شب و روز مصروف رہتے اور کام مفوضہ سرکاری کو بھی باحسن وجوہ انجام کرتے۔ مثل اور قیدیوں کے تساہل و تکاہل کو کام میں نہ لاتے اور دوسرے قیدیوں کو بھی نصیحت فرماتے کہ جب تم سرکاری کھانا کھاتے ہو اور کپڑا پہنتے ہو اور مکان میں رہتے ہو تب ضرور ہے کہ سرکاری کام کو انجام دو۔ اور قیدی لوگ جو جیل کے اندر حکم عدولی اور بدمعاشی کرتے اس سے ان کو روکتے۔ اور نصیحت کرتے۔ صدہا قیدی اس جیل میں ایسے نیک چلن ہو گئے کہ جن کو دیکھ کر اہل کاران جیل حیران رہ جاتے چونکہ جیل خانہ میں مجمع بدکاروں اور چور ڈاکوؤں وغیرہ کا رہا کرتا ہے۔ آپ کا وعظ بھی انہیں افعال ذمیمہ کے بیان میں ہوتا اور توحید و تاکید صوم و صلوٰۃ کی ہوتی۔ صدہا چور اور ڈاکوؤں نے توبہ کی کہ اب کبھی اس پیشہ کو نہ کریں گے۔ آپ ان کو عذاب دائم مقیم سے ڈراتے۔ صدہا موحد اور نمازی ہو گئے۔

ایک بلوچ ڈاکو کا ماجرا بیان کیا جاتا ہے۔ اس کا نام مرزی تھا۔

اس کے آباو اجداد سے چوری اور ڈکیتی کا پیشہ چلا آتا تھا۔ وہ نہایت قوی ہیکل جوان تھا۔ اس نے جیل خانہ میں آکر بھی بہت کچھ شرارت کی تھی۔ سرکاری کام ہرگز نہیں کرتا تھا۔ صدہا بیت اُس کو لگائے گئے مگر اُس نے اُف نہیں کی۔ اپنی بدچلنی سے باز نہیں آیا۔ بیڑی اور ڈنڈا ہتھکڑی اور طوق وقید تنہائی وغیرہ جو کچھ سزا وہاں ہے وہ سب اس پر عمل میں لایا گیا لیکن وہ باز نہ آیا۔ دار وغہ وجمعدار سب اس سے ڈرتے وہ ان کو بھی موقعہ پاکر ہتھکڑی سے پیٹ دیتا۔ خدا کے حکم سے آپ کا بستر اور اُس کا ایک ہی جگہ ہوگیا۔ خدا کی قدرت کہ آپ کی تلقین وپند سے تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی کیفیت بدل گئی۔ اُس نے سرکاری مشقت کرنی شروع کردی اور ایسا نیک چلن بن گیا کہ دار وغہ وغیرہ سب متحیر ہوگئے۔ ہتھکڑی اور طوق وغیرہ سب اس سے دور کر دیے گئے اور پارچہ بافی کے کارخانہ میں وہ داخل کر دیا گیا کہ جہاں دائم الحبس اور بڑے بڑے معادی کام کیا کرتے تھے اور عمدہ کام کرنے اور زیادہ کام کرنے پر سال میں دو ایک ماہ قید معاف بھی ملا کرتی ہے اس نے وہاں جاکر بہت پارچہ بافی کا کام سیکھ لیا اور نہایت عمدہ کپڑا بننے لگا۔ جب میں لاہور کے جیل میں گیا خود میں نے اس مزری بلوچ کو دیکھا کہ پانچوں وقت نماز قید میں پڑھتا اور اپنے اعمالِ گذشتہ کو یاد کرکے خوفِ خدا سے اکثر روتا۔ اے بھائیو میں سچ کہتا ہوں کہ میں نے جب اس کو دیکھا ایک ولی پایا۔ اس قسم کے اور بہت سے ماجرے ہیں بلکہ یہ ایک تمثیلاً

بیان کیا الغرض آپ کا وجود باجود اس قید خانہ میں واسطے ہدایت قیدیوں کے بھیج دیا گیا تھا۔ کہ ہزاروں فیضیاب ہو گئے۔ اہل کارانِ جیل اس کرامات کو آپ کے دیکھ دیکھ کر نہایت متحیر و متعجب ہوتے۔ تمام ہندو آپ کو دیوتا اور اوتار کہتے اور مسلمان ولی سمجھتے۔ اتوار کا روز جو فرصت کا قیدیوں کے ہوتا ہے فجر کو بعد ملاحظہ ڈاکٹر آپ کے پاس مجمع ہو جاتا۔ آپ حسب حال ان قیدیوں کے بدکاریوں سے بچنے اور نیک چلنی اور توحید الٰہی کا بیان فرماتے اور صوم و صلوٰۃ کی تاکید کرتے۔

اپنی لائبریری

★ تذکرہ حضرت خواجہ اجمیری	طالب ہاشمی	۳/-
★ تذکرہ حضرت غوث اعظم	طالب ہاشمی	۳/۸
★ عبداللہ بن زبیر	طالب ہاشمی	۲/-
★ تذکرہ حضرت علی ہجویری	سید امین الدین	۱/۱۰
★ شہید اعظم	مولانا آزاد	۱/-
★ ام الکتاب	مولانا آزاد	۳/۸
★ اصحاب کہف	مولانا آزاد	۱/۴
★ فرح شاہی دستر خوان	کوکب سلطانہ کوثر سلطانہ	۱/۸
★ انتخاب کلام میر	مولانا تقی میر	۱/۸
★ درد و درماں	عدم	۳/-
★ سلمہ	نسیم انہونوی	۱/۸

شعاع ادب ○ لاہور - ۸